ابتدائیہ

سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس کا نہ کوئی مثل ہے نہ مثال اور اس ذات کی ابتداء اور نہ انتہا جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اور دُرود اس ذاتِ اقدس پر جس پر اللہ اس کے فرشتے دُرود بھیجتے ہیں۔ جسکی عظمت لامحدود ہے اور رحمت اسکی تمام جہانوں کے لیے ہے اور نذرانہ عقیدت حضرت سیّدنا ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہ العالی کی بارگاہ میں جسکی شبیہ چاند، سورج حجرِ اسود اور مریخ پر موجود ہونے کی تصدیق ہو چکی ہے۔

آپ کے ابتدائی حالاتِ زندگی قارئین کے لیے کتابی صورت میں پیش کیے جا رہے ہیں جو کہ اخبار صدائے سرفروش کی ابتدائی اشاعت میں قسط وار شائع ہوتے رہے ہیں اور بارہ اقساط پر مشتمل ہیں۔ جن کا عنوان ماضی کی یادیں تھیں اور جناب حاجی قمر احمد خان، مقصود احمد اور جناب ظفر کاظمی صاحب نے ابّا جی والدِ محترم حضرت سیدنا ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہ العالی سے انٹرویو کے کر شائع کیے اور اس انٹرویو کے دوران چونکہ قبلہ ابّا جی بمعہ دیگر رفقاء کے ساتھ حج بیت اللہ پر تشریف لے گئے تھے لہذا وہ انٹرویو بھی ان اقساط میں شامل ہیں اور حج کے دوران جو روحانی واقعات پیش آئے وہ بھی بڑے دلچسپ اور پڑھنے سے تعلق رکھے ہیں۔

آخر میں راقم ان تمام حضرات کا شکر گزار ہے جنہوں نے دن رات کمپیوٹر کے کام کو پایہء تکمیل تک پہنچایا جن کے نام محمد اشرف و برادران، حماد قادری ہیں اور جناب محمد جاوید لودھی کے تعاون کا بھی شکر گزار ہوں اور جناب وحید انور قادری صاحب جو کہ صوبہ سندھ کے امیر بھی ہیں انہوں نے پریس اور دیگر امور کو بخیر و خوبی پایا تکمیل تک پہنچایا اور دیگر تمام ساتھیوں کا بھی جنہوں نے تعاون کیا اور ان تمام کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے اور دین و دنیا میں سرخرو فرمائے۔ آمین!

طالبِ دعا سخی محمد قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ ماہنامہ سرفروش نے اپنی گزشتہ اشاعت میں وعدہ کیا تھا ماہنامہ قبلہ سرکار شاہ صاحب بانی و سربرست انجمن سرفروشان پاکستان کے حالات وزندگی اور دیگر معلوموت شائع کرے گا اس سلسلے میں دورُکنی پینل تشکیل دیا گیا جو ادارہ کو سردار شاہ صاحب مدظلہ العالی کے والدگرامی قدر قبلہ وکعبہ حضرت فضل حسین شاہ صاحب دامت برا کاتہم العالیہ سے انٹرویو لے کر تمام ابتدائی حالت معلوم کر کے اشاعت کے لے لیے فراہم کرے گا۔

اس پینل کے شرکا میں انجمن کے سینیئر اراکین جناب قمر احمد خان اور مقصود احمد خان کو منتخب کیا گیا۔انٹرویو با قاعدہ ماہانہ اشاعت میں قسط وار شائع کیا جائے گا۔الحمداللہ ادارہ حسب وعدہ اس سلسلے کی پہلی قسط شائع کرر ہا ہے۔جو اراکین انجمن کی لیے مفید اور دلچسپی کا باعث ہوگا۔اس سلسلہ کا پہلا انٹرویو بروز جمعہ 5 فروری 1991ء کو ہونا طے پایا اور دورکنی پینل مقررہ تاریخ پر آستانہ عالیہ کوٹری شریف پہنچا۔سرکار شاہ صاحب کے والدگرامی پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت انٹرویو کی لیے تشریف فرما تھے۔ہم پہنچے،سلام کیا۔والدگرامی نے ہماری خیریت دریافت کی اور دعائیں دیں آستانہ کے سبزہ زار پر پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور سلسلہ شروع ہوا۔

سوال۔ڈھوک گوہر شاہ (بردیانہ) ضلع گجرات کب اور کس نے قائم کیا؟

جواب۔کشمیر جو آج کل مقبوضہ کشمیر ہے۔بابا گوہر علی شاہ وہیں کے رہنے والے تھے۔ہمارا تعلق بھی ان ہی کے خاندان سے ہے۔

سوال۔بابا گوہر علی شاہ کا تعلق آپ کے دادا سے ملتا ہے؟

جواب۔نہیں بابا گوہر علی شاہ کا تعلق میرے ننھیال یعنی میری بیوی (سرکار شاہ صاحب کی والدہ ماجدہ) کی والدہ ماجدہ کے ددھیال سے ہے۔

بابا گوہر علی شاہ بڑے درویش صفت اور اللہ والے انسان تھے اور اللہ کے ولی تھے۔گاؤں کا ہر شخص آپکی بڑی عزت کرتا ہے اور اپنے دکھ سکھ کے مسائل آپ ہی سے بیان کرتا ہے ہے۔آپ بھی خدمت خلق میں مصروف رہتے۔گاؤں ڈھوک گوہر علی شاہ میں پانی کی بڑی قلت تھی بابا صاحب نے کنواں کھودنے کا ارادہ کیا اور خود کنواں کھودنا شروع کیا۔اللہ کی مدد سے اور بابا صاحب کے ہاتھوں سے کنواں تیار ہوگیا۔پورے گاؤں کے لیے بابا صاحب کا بنایا ہوا کنواں نعمت ثابت ہوا۔آپ کا مشغلہ رہتا

کہ آپ مسجد میں کنویں سے پانی خود بھرا کرتے تھے اور لوگوں کو گھروں میں پانی خود پہنچاتے تھے اس وجہ سے گاؤں ہر بچہ بوڑھا آپ سے بڑی محبت اور احترام سے پیش آتے تھے۔

سوال۔ بابا صاحب کی کوئی کرامت؟

جواب۔ ہاں! ایک دفعہ ایک لڑکی کنویں پر پانی بھرنے آئی تو بابا صاحب نے اس لڑکی سے کہا چلو یہ بھرے ہوئے مٹکے میں تمہارے گھر پہنچائے دیتا ہوں اور یہ مٹکے میرے سر پر رکھ دو۔ لڑکی نے مٹکے بابا گوہر علی شاہ کے سر پر رکھ دیے۔ مٹکے چار تھے لڑکی نے دیکھا کہ وہ چاروں مٹکے بابا گوہر علی شاہ کے سر سے اونچے ہیں، وزن سر کے اوپر نہیں، بابا صاحب اٹھائے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ لڑکی یہ دیکھ کر حیران رہ گئی اور کہ منظر دوسرے کئی لوگوں نے بھی دیکھا بابا صاحب کی یہ بھی ایک کرامت تھی جو ظاہر ہوگئی۔ کرامت ظاہر ہونے کے بعد بابا صاحب کی شہرت دور دراز تک ہوگئی اور بابا صاحب کی گرد لوگوں کا جم غفیر شروع ہوگیا۔ لوگوں کی بھیڑ سے بابا تنگ ہوگئے، حکومت کے اہل کار اور صاحب اقتدار لوگ بھی بابا صاحب کے در پر چکر لگانے لگے۔ بابا صاحب کو بہت سی زمینیں بھی الاٹ کردی۔ بابا صاحب نے یہ الاٹ کی ہوئی زمین قبیلے کے لوگوں میں تقسیم۔ گاؤں کے لوگ بہت خوش تھے اور بابا صاحب کی خدمت میں لگے رہتے اور لوگوں نے یہ گاؤں بھی آپکے نام سے موسوم کردیا، ڈھوک گوہر شاہ۔ بابا گوہر علی شاہ لوگوں کی بھیڑ اور مجمع سے بہت تنگ ہوگئے کیونکہ ذکر و فکر متاثر ہو رہا تھا۔ یاد الٰہی میں خلل پڑ رہا تھا۔ ایک دن آپ خاموشی سے گاؤں سے نکل پڑے اور ایک مقام راول جسے آجکل راولپنڈی کہا جاتا ہے یہ بیابان پہاڑی علاقہ تھا، یہاں قیام پذیر ہوگئے۔ آپکے گاؤں سے اچانک غائب ہوجانے سے لوگ بہت پریشان ہوگئے۔ آپکی اہلیہ اور بچے بھی پریشان ہوئے۔ کافی عرصہ کے بعد آپکا پتہ چلا آپ نے بیوی بچوں کی پریشانی کی وجہ سے گاؤں کا رخ کیا اس کے بعد آپ کبھی گاؤں میں رہتے اور کبھی راولپنڈی میں قیام کرتے آپ کے مرید کافی ہوچکے تھے۔

سوال۔ بابا صاحب کی کتنی اولاد ہوئیں؟

جواب۔ صحیح تعداد تو معلوم نہیں۔ کم از کم تین چار بچے ہوئے۔ آپ لوگوں کو پتہ ہی ہے کہ ڈھوک گوہر شاہ کا رقبہ کتنا ہے اور آبادی کا بھی معلوم ہے۔ آپ نے ہمارا آبائی قبرستان بھی دیکھا ہے اس قبرستان سے آپ اندازہ لگائیں یہ سب بابا صاحب کی اولادیں ہیں۔ ابھی سو سال کا عرصہ ہی تو گزرا ہے۔ انٹرویو جاری اور ہم محو گفتگو تھے کہ اچانک سرکار شاہ صاحب کی والدہ محترمہ تشریف لے آئیں اور ہم احترام میں کھڑے ہوگئے سلام کیا اور انہوں نے ہمارے سروں پر ہاتھ پھیرا اور دعائیں دے ہم نے ان سے بھی درخواست کی کہ آپ بھی ہمیں سرکار شاہ کی بچپن کے حالات بتائیں اور انہوں ہم سے وعدہ کیا کہ میں شاہ صاحب کے حالات ضرور بتاؤں گی۔ پہلے آپ سرکار شاہ صاحب کے ابّا جی سے معلوم کریں۔ بس کچھ رسمی گفتگو کے بعد وہ

رخصت ہوئیں اور ہم پھر ابّا جی حضور سے گویا ہوئے۔

سوال۔ سرکار شاہ صاحب کی ابتدائی تعلیم اسی گاؤں میں ہوئی؟

جواب۔ ان کی تعلیم گاؤں کے علاوہ مختلف شہروں میں ہوتی رہی کیونکہ میں سرکاری ملازم تھا اور اکثر گاؤں سے باہر ہی رہا اور جس شہر میں میرا تبادلہ ہوتا وہیں ان کی تعلیم ہوتی رہی کیونکہ بچے میرے ساتھ ہی رہا کرتے تھے با قائدہ ایک جگہ مستقل طور پر نہ ہوسکی۔

ہمارا سلسلہ کلام جاری تھا اور تعلیم کی بابت گفتگو ہو رہی تھی کہ سرکار شاہ صاحب لان میں تشریف فرما ہوئے اور دریافت فرمایا کہ کیا باتیں ہو رہیں ہیں ہم نے انٹرویو کی وجہ بتائی۔ سرکار مسکرائے اور شفقت بھرے لہجے میں دعائیہ انداز میں انجمن کے مشن کو عام کرنے کے لیے محنت اور کوشش کرنے تلقین کی ہم نے بھی سرکار کی موجودگی سے مستفید ہوتے ہوئے سوال کیے۔

سوال۔ سرکار آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟

جواب۔ میری تاریخ پیدائش 25 نومبر 1941ء ہے اور دن جمعرات کا تھا۔ اس سوال پر ابّا جی حضور ﷺ مسکرا رہے تھے۔

ابّا جی گویا ہوئے وقت صبح کا تھا، اور اذانیں ہو رہی تھیں، ہمارے تصور میں صبح کا منظر نمودار ہو گیا، صبح کاذب صبح صادق میں بدل رہی ہوگی مرغ صبح گاہی کی خوش الحانی، چڑیوں کا چہچہانا، سوئی خلق کی بیداری، زندگی بیداری ہو رہی ہوگی۔

سرکار شاہ صاحب سے دوسرا سوال۔ سرکار آپ اپنی پرائمری تعلیم کے بارے میں بتائیں؟

جواب جہاں جہاں ابّا جی کا تبادلہ ہوتا اور جس شہر میں تقرری ہوئی وہیں میری تعلیم ہوتی رہی، مڈل تک تو گاؤں میں ہوئی نویں تک تو ریگولر میٹرک پرائیوٹ کیا بعد میں انٹر بھی پرائیوٹ کیا اس کے بعد ٹیکنیکل تعلیم کی موٹر میکینک سے ویلڈنگ، انجینئرنگ، الیکٹریکل، ٹیکنیکل وڈورک وغیرہ کا کام سب پرائیوٹ اداروں میں ہی سیکھا، کیونکہ اس وقت اتنے ٹیکنیکل ادارے نہیں ہوا کرتے تھے، ہمارے سرکار (مُرشد کریم) ایک اچھے انجینئر بھی ہیں۔ آستانے کا جو تعمیراتی کام ہوا وہ سب تمام سرکار شاہ صاحب ہی کی پلاننگ سے ہوا۔

سوال۔ سرکار آپ کی جائے پیدائش کیا ہے؟

جواب۔ فرمایا: میری جائے پیدائش ڈھوک گوہر شاہ ہے۔

ابّا جی حضور زیر لب مسکرا رہے تھے۔ سرکار کراچی جانے کے لیے تیار تھے۔ سرکار اپنی گاڑی میں سوار ہوئے اور کراچی کے لیے روانہ ہو گئے۔ دوبارہ قبلہ ابّا جی حضور سے گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔

سوال۔ جب سرکار کی ولادت ہوئی تو آپ کے خاندانی حالات یا آبائی گاؤں کی صورتِ حال کیا تھی؟

جواب۔ شاہ صاحب (سرکار) کی ولادت سے قبل میں اپنے تمام بچوں کے ساتھ بسلسلہ ملازمت دہلی میں مقیم تھا۔ وہاں تنخواہ بہت کم تھی۔ یہی کوئی 30 یا 35 روپے ماہانہ۔ بمشکل گزارہ ہوتا، رہائش کی بھی تکلیف تھی۔ اس لیے میں نے شاہ صاحب (سرکار) کی ولادت سے کچھ روز قبل بچوں کو گاؤں ڈھوک گوہر شاہ میں بھیج دیا تھا۔ لیکن میں دہلی میں بہت فکرمند تھا کہ ایک دن حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کے دربار پر پہنچا اور وہاں اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ مجھے نیک اور نرینہ اولاد عطا فرما اپنی مہربانی سے تکالیف کو دور اور مشکلات کو حل فرما۔ ان دنوں ملک میں ایمرجنسی لگی ہوئی تھی۔ چھٹی ملنا بہت مشکل تھا۔ بہرحال میں نے گاؤں جانے لے لیے چھٹی کی درخواست دے اور کرم کی بات کہ مجھے پانچ دن کی چھٹی مل گئی۔ میں فوراً دہلی سے گاؤں روانہ ہوا۔ طویل مسافت کے بعد میں رات کے وقت گاؤں پہنچا۔ وہاں سب کی خیریت دریافت کی۔ تھکن کی وجہ سے مجھے جلد نیند آ گئی۔ صبح ہونے کو تھی کہ مجھے نیند سے جگا کر یہ خبر دی گئی کہ اللہ کے فضل سے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ میری خواہش بھی یہی تھی اور اس خبر سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ نظام الدین اولیاء سرکار کے دربار پر جو دعا مانگی تھی، اس کی مقبولیت سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ لہذا درباروں سے میری رغبت میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور خاص کر محبوبِ الٰہی کے دربار سے۔

سوال۔ ابّا جی جس وقت آپ دہلی میں تھے اور دعا مانگی تھی تو اس وقت آپ کس محکمہ میں تھے؟

جواب۔ اس وقت میں لجسلیٹو (Lajislative) اسمبلی میں تھا، یعنی جس طرح پاکستان میں قومی اسمبلی ہے۔ میں اس اسمبلی میں ملازم تھا۔ یہ قیام پاکستان سے قبل کی بات ہے۔

سوال۔ ابّا جی! جب آپ کو لڑکے کی پیدائش کی خبر ملی تو آپ بہت خوش ہوئے ہونگے، کچھ کیفیات اور حالات بتایئے؟

جواب۔ ابّا جی نے زیرلب مسکراتے ہوئے فرمایا بہت خوشی ہوئی تھی جناب! کیونکہ اس سے قبل ہماری ایک بڑی لڑکی شملہ میں بیمار ہو کر انتقال کر گئی تھی۔ باقی ایک اس سے چھوٹی اس لیے یہی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ اس مرتبہ ہمیں لڑکا دے جو نیک ہو ہماری مشکلات میں آئندہ کام آئے، اس لیے لڑکے کی پیدائش پر ہماری خوشی فطری بات تھی۔ میری ہمشیرہ تو بہت خوش تھی، بھائی خوش تھے اسکے علاوہ ہمارے خاندان کے دیگر لوگ بھی بہت خوش ہوئے۔ رواج کے مطابق گاؤں میں بہت خوشیاں منائی گئیں۔

بعد میں شاہ صاحب (سرکار) کی والدہ صاحبہ نے مجھے بتایا کہ انہوں نے بابا گوہرؒ کے مزار پر لڑکے کی دعا مانگی تھی جو پوری ہوگئی۔ اِدھر میں نے شاہ صاحب (سرکار) کی والدہ کو بتایا کہ میں نے بھی نظام الدین اولیاء کے دربار پر لڑکے کے لیے دعا کی تھی۔ پس ہم سب اپنی اپنی دعاؤں کی مقبولیت پر خوش تھے۔ اس خوشی میں چھٹی کے دن مکمل ہو گئے اور میں نے دہلی واپسی

کے لیے تیاری کی اور گھر والوں سے کہا کہ جیسے ہی دہلی میں علیحدہ رہائش کا بندوبست ہو گیا میں فوراً آپ لوگوں کو دہلی بلالوں گا۔ کیونکہ دہلی میں رہائش کی بہت تکلیف تھی اور میں کسی کے ساتھ رہتا تھا لیکن اللہ کا کرم دیکھئے کہ میں گاؤں سے جیسے ہی واپسی دہلی پہنچا تو مجھے ایک سرکاری مکان کی الاٹمنٹ کا آرڈر ملا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ کسی نے مجھ سے کہا تم بڑے خوش قسمت ہو کہ دہلی پہنچنے سے پہلے ہی تمہیں کوارٹر الاٹ ہو گیا اور وہ بھی نئے کوارٹر میں جو کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے دربار کے بالکل قریب ہے۔

سوال۔ ابّا جی! یہ بتایئے کہ جب آپ کو دہلی میں کوارٹر مل گیا تو آپ نے سرکار اور دوسرے اہل خانہ کو دہلی کب بلایا؟

جواب۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ دہلی پہنچتے ہی کوارٹر الاٹ ہو گیا تھا۔ بس میں نے فوراً گھر والوں کی طرف خط لکھ دیا تھا اور خوش خبری سنائی کہ مجھے دہلی میں کوارٹر مل گیا ہے آپ لوگ ٹھیک ہو جاؤ تو دہلی آ جانا۔ اس طرح تقریباً ڈیڑھ دو مہینے بعد شاہ صاحب (سرکار) اور اہل خانہ بھی دہلی آ گئے۔ اب ہمیں دہلی میں کوئی پریشانی نہیں تھی۔ بس ایک مالی مشکل رہ گئی تھی لیکن یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کا بھی کوئی سبب بنائے گا۔ لیکن میں نے نوٹ کیا کہ ان کی کیفیت دوسرے بچوں کے مقابلے میں والہانہ اور عجیب ہوئی۔ وہ ہشاش بشاش نظر آنے لگے اس کے علاوہ شاہ صاحب (سرکار) گھر میں جب کھیلنے کے قابل ہوئے تب بھی نوٹ کیا گیا کہ آپ کا رخ دربار نظام الدین اولیاءؒ کی جانب ہوا کرتا۔

جب تھوڑے بڑے ہوئے تو دیکھا گیا کہ آپ عام بچوں کی طرح نہیں کھیلتے کودتے تھے۔ بس جیسے ہی موقع ملتا تو سیدھے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے دربار پہنچ جاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپ گھنٹوں گھر سے غائب رہتے اور ہم آپ کو اِدھر اُدھر تلاش کرتے جب نہ ملتے تو پریشان ہوتے لیکن پھر کچھ دیر بعد دیکھتے کہ شاہ صاحب (سرکار) دربار کی جانب سے دوڑتے چلے آ رہے ہیں اور ہمیں اپنی بچگانہ بولی اور اشاروں میں بتاتے کہ میں تو دربار میں تھا ہم غصہ بھی ہوتے اور حیران بھی کہ یا اللہ اس بچے کو محبوبِ الٰہیؒ کے دربار میں کیا مزا آتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب میں دفتر سے واپس آتا تو شاہ صاحب (سرکار) کی والدہ بتاتیں کہ بچہ بہت دیر سے غائب ہے اور میں سیدھا دربار کی طرف جاتا اور وہاں آپ کو اکیلے کھیلتا ہوا پاتا۔ مجھے دیکھ کر وہ میرے پاؤں سے لپٹ جاتے، میں پیار سے انہیں گود میں بھر لیتا اور انہیں گھر لے آتا۔ اس طرح شاہ صاحب (سرکار) کا بچپن عام بچوں سے مختلف اور انظام الدین اولیاءؒ کے دربار اقدس پر ان کے زیرِ سایہ گزرا۔

سوال۔ سرکار کا اسم گرامی کس نے تجویز کیا؟

جواب۔ میں تو شاہ صاحب (سرکار) کی پیدائش کے کچھ دنوں بعد دہلی واپس چلا گیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شاہ صاحب (سرکار) کے ماموں (جن کا نام علی شاہ تھا) نے ان کا نام ریاض تجویز کیا ہے۔

سوال۔ کیا سرکار آپ کی اولادوں میں سب سے بڑے ہیں؟

جواب۔شاہ صاحب (سرکار) لڑکوں میں سب سے بڑے ہیں۔آپ سے بڑی دو ہمشیرائیں ہوئیں۔ایک تو شملہ میں انتقال کر گئیں اور دوسری بڑی ہمشیرہ الحمداللہ حیات ہیں اور ملتان میں رہتی ہیں۔

سوال۔آپ کی کل کتنی اولادیں ہوئیں؟

جواب۔کل نو(9) اولادیں ہوئیں جن میں سے آٹھ الحمداللہ(8) حیات ہیں۔چار(4) بیٹیاں اور چار(4) بیٹے ہیں جن کے نام یہ ہیں اور تمام شادی شدہ ہیں۔

1۔ریاض احمد گوہر شاہی

2۔طارق محمود

3۔پرویز حسین

4۔ذوالفقار علی

سوال۔دہلی میں سرکار آپ کے ساتھ کتنے عرصہ رہے؟

جواب۔شاہ صاحب (سرکار) اور ان کی والدہ کو جب میں نے دہلی بلوایا اس وقت بھارت میں ایمرجنسی لگی ہوئی تھی، چونکہ میں شاہ صاحب (سرکار) کی ولادت سے قبل انڈین آرمی میں "آن ڈیپوٹیشن" کام کر چکا تھا۔لہذا مجھے کچھ عرصہ کیلئے دوبارہ ڈیپوٹیشن پر آرمی میں بھیج دیا گیا۔یہ کوئی 1945ء یا 1946ء کی بات ہوگی،اس لیے میں نے بچوں کو دوبارہ گاؤں بھیج دیا۔کچھ عرصہ بعد میرا ڈیپوٹیشن منسوخ ہوگیا اور مجھے دوبارہ دہلی بھیج دیا گیا،اس لیے میں نے بچوں کو دہلی بلوالیا۔اس زمانے میں مسلم لیگ اور کانگریس کی تحریکیں عروج پر تھیں اور اکثر مسلم ہندو فساد ہو جایا کرتے تھے۔مسلمانوں پر اسلام کا جذبہ بہت غالب رہا اور جوش سے بھرپور نعرے ہر طرف سنائی دیتے تھے جیسا کہ "لے کے رہیں گے پاکستان، بٹ کے رہے گا ہندوستان" جناب مسلمان ہونے کے ناطے میرے جذبات بھی کسی سے کم نہ تھے،میرے بڑے بڑے لیڈران سے لجسلیٹو اسمبلی میں ملاقات رہتی۔ان لیڈروں میں قائداعظم محمد علی جناح اور قائد ملت خان لیاقت علی خان وغیرہ بھی شامل تھے۔

سوال۔ابّا جی آپ نے فرمایا کہ لجسلیٹو اسمبلی (ہندوستان) میں آپ کی ملاقات قائداعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی خان کے علاوہ اور دیگر سرکردہ لیڈران سے بھی رہتی تھی۔قارئین کرام تک پہنچانے کے لیے کیا آپ ہمیں کچھ نام اور کچھ واقعات ریکارڈ کرائیں گے؟

جواب۔بات یہ ہے جی کہ نہ ہی مجھے سب واقعات یاد ہیں اور نہ ہی سب نام، بہرحال جو کچھ یاد ہے آپ کو بتاتا ہوں۔ مثلاً میری ملاقات اسمبلی میں قائداعظم اور لیاقت علی کے علاوہ جواہر لال نہرو، مہاتما گاندھی اور پٹیل سے بھی رہی اور نواب

بھوپال، عبدالرب نشتر، شیرِ بنگال مولوی فضل حق، غضنفر علی خان، نواب ممدوٹ، مولانا شوکت علی اور خواجہ حسن نظامی سے بھی میری ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ ان کے علاوہ اور بہت سے نام ہیں جو اس وقت یاد نہیں ہیں، ہاں چودھری محمد علی سابق وزیراعظم پاکستان تو میرے ساتھ ہی اسمبلی میں کلرک تھے۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام سے میرے پاس آتے رہتے تھے۔ آپس میں ہماری بڑی گپ شپ رہتی تھی۔ بس اپنی اپنی قسمت ہے کہ وہ بعد میں پاکستان کے وزیراعظم بھی بنے جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا ہے کہ شاہ صاحب (سرکار) کی ولادت کے بعد میری بہت سی مشکلات حل ہونا شروع ہوگئی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی کہ میرا پروموشن ہوا اور میں اپ گریڈ ہو کر اسمبلی میں ایسی جگہ پہنچا کہ ہر لیڈر کا مجھ سے واسطہ پڑتا اور اس طرح ان سے میری ملاقات رہتی تھی سب مجھے اچھی طرح جاننے لگے۔ قائداعظم تو اپنا ٹائپنگ ورک اکثر مجھ سے ہی کروایا کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مسلمان ہونے کے ناطے میرے جذبات بھی کسی سے کم نہ تھے لہذا وہ جہاں بھی مسلم لیگ کا جلسہ ہوتا میں وہاں پہنچ جاتا، کیونکہ اس زمانے میں تحریک پاکستان زوروں پر تھی میرے ساتھ اکثر بابو فیروز دین انصاری ہوا کرتے تھے جو پاکستان میں آ کر ملتان سے ممبر قومی اسمبلی بھی منتخب ہوئے۔ یہ بڑے پُر جوش نوجوان تھے۔ ان کی اور ہماری بڑی اچھی دوستی تھی۔ ہم اکثر جلسوں میں کام بھی کیا کرتے تھے کبھی اسٹیج پر ہوتے، کبھی دریاں بچھاتے، کبھی جھنڈیاں لگواتے۔ مسلمانوں میں ایک عجیب سا جذبہ تھا، کچھ اس جذبہ کی جھلک مجھے آپ کی انجمن میں بھی نظر آتی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اور ہمت دے تا کہ دین کے لیے کچھ اچھے کام ہو جائیں۔ (آمین)

ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ میں مسلم لیگ کے جلسوں میں بڑے جوش و جذبہ سے شریک ہوتا تھا، قائداعظم مجھے وہاں پُر جوش دیکھتے اور اسمبلی میں بھی چنانچہ وہ اکثر میرے پاس آ جاتے اور میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر باتیں کرتے، کچھ پوچھتے اور کچھ بتاتے، الغرض وہ مجھ سے بہت خوش تھے۔ ایک دن قائداعظم نے مجھے کچھ کاغذات ٹائپ کرنے کے لیے دیئے جو میں نے بالکل ایکیوریٹ ٹائپ کر دیئے، وہ بہت خوش ہوئے۔ دوسرے دن اُنہوں نے پھر کچھ کام ٹائپ کرنے کے لیے دیا اور کچھ اس بابت ہدایت بھی کی کہ اس طرح کر دینا وغیرہ وغیرہ میں نے وہ کام بھی توقع سے زیادہ بہتر اور جلدی کر دیا۔ آپ بہت خوش ہوئے اور جلدی سے دس روپے نکال مجھے دینے لگے۔ اس زمانے میں دس روپے بہت ہوتے تھے۔ میں نے پیسے لینے سے انکار کر دیا انہوں نے بہت چاہا لیکن میں نے نہیں لیے اور بڑے ادب سے عرض کی کہ سَر میں بھی مسلمان ہوں اور دوسروں کی طرح میں بھی مسلم لیگ کا شیدائی ہوں، اسی جذبے سے یہاں کام کرتا ہوں۔ قائداعظم مجھ سے اور بھی زیادہ خوش ہوئے اور مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ دوسرے دن آپ نے پھر مجھے کچھ کام دیا جو میں نے بخوشی کر دیا۔ آپ پھر مجھے کچھ دینا چاہتے تھے لیکن سمجھ گئے کہ یہ کچھ نہیں لے گا پھر بالکل میرے قریب آ کر کان میں کہا کہ تم سے مجھے کچھ اور ضروری کام ہے تم

میری کوٹھی پر شام چار بجے پہنچ جانا۔

میں دوسرے دن حسبِ پروگرام شام چار بجے قائداعظم کی کوٹھی (جناح ہال) چوک جو کہ غالباً رائے سیتا روڈ پر تھی پہنچ گیا۔ میں نے اندر نوکر کے ذریعے پیغام بھجوایا۔ آپ فوراً باہر تشریف لائے بڑی شفقت اور گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور فرمانے لگے کہ آج اندر سارے لیڈر جمع ہیں، اہم میٹنگ ہونے والی ہے۔ ایسا کرو کہ آپ کل ضرور آنا، اسی وقت۔ جناب، دوسرے دن میں پھر آپ کی کوٹھی پر پہنچا اندر پیغام پہنچایا۔ آپ نے مجھے فوراً اندر بلوالیا، بٹھایا اور چائے پلوائی اس کے بعد آپ اندر سے کچھ خطوط لائے اور میرے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ یہ میرے خفیہ خطوط ہیں۔ نہرو، گاندھی اور دیگر لیڈران سے لکھ پڑھ ہوئی ہے۔ آج تک میں نے کسی کو نہیں بتائے ہیں، خفیہ ہیں، انہیں جا کر پریس والوں کو دے دینا۔ وہ تمہیں کچھ رقم دیں گے وہ لینا۔ میں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بھی کوئی کام ہے جو قائداعظم مجھے بتا رہے ہیں، وہ خط فوراً لے لیے۔ قائداعظم نے دوبارہ فرمایا! دیکھو جب پریس والوں کو تم یہ خطوط دو گے تو وہ تمہیں کچھ رقم دیں گے، تم لے لینا۔ یہ کہہ کر آپ فوراً اندر چلے گئے۔ میں سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اس خوف سے کہ قائداعظم مجھ سے کہیں ناراض نہ ہو جائیں۔ میں بغیر کسی چوں چراں کے جناح ہال سے فوراً پریس کی طرف روانہ ہو گیا۔ پریس والے مجھے جانتے تھے۔ میں جب ان خطوط کے بارے میں انہیں بتایا تو مجھ پہ جھپٹ پڑے اور میری بڑی آؤ بھگت کی۔ مجھے فوراً چار سو روپے نکال کر دیے جو اس وقت بڑی رقم شمار ہوتی تھی۔ میں بڑا خوش ہوا۔

دوسرے دن جب انڈیا کے اخباروں میں بڑی بڑی سرخیاں لگیں تو ہر طرف دہلی میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ دن بھر انہیں خطوط کا چرچہ تھا۔ میں بہت خوش بھی تھا اور حیران بھی کہ قائداعظم نے اتنا بڑا رسک کیوں لیا۔ ایسے خطوط میرے حوالے کیے جن سے انڈیا کی سیاست میں حیرت انگیز ہیجان برپا ہو گیا۔ دوسرے دن قائداعظم میرے پاس آئے اور اسمبلی میں ہنس کر پوچھا کہ پریس والوں نے تمہیں کتنی رقم دی۔ میں نے خاموشی سے بتایا چار سو روپے اور وہ مسکراتے ہوئے آگے چلے گئے اور اس دن اسمبلی کا منظر بھی دیکھنے والا تھا۔ جواہر لال نہرو، بلم، بھائی پٹیل اور دیگر ہندو لیڈر ششدر رہ گئے۔ اِدھر مسلم لیگ والے بھی حیران تھے کہ یہ خفیہ خطوط کس طرح منظر عام پر آ گئے۔ سب اپنی اپنی جگہ چوکنا تھا اور میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ یا اللہ تو نے مجھے ایسا بابرکت لڑکا عنائیت فرمایا ہے کہ جس کی پیدائش کے بعد سے میری مالی مشکلات حل ہوتی جا رہی ہیں اور دن بدن میری عزت اور تعلقات میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ میں اللہ کا شکر گزار ہو رہا تھا اور آج بھی ہوں۔

جناب، مندرجہ بالا وقعہ کے بعد اکثر اخباری نمائندے میرے آگے پیچھے پھرتے اور گھر چکر لگاتے۔ ہر ایک اخبار والا مجھ سے دوستی کا خواہاں تھا۔ ایک دن میرا ایک ہندو دوست جو اخبار ہندوستان ٹائمز کا ایڈیٹر تھا، ہمارے گھر آیا تو اتفاق سے میں گھر پر موجود نہیں تھا۔ شاہ صاحب (سرکار) گھر سے باہر آئے اس وقت تقریباً پانچ سال کے ہونگے، چھوٹے تھے اور اپنی بچگانہ

بولی میں اس ہندو ایڈیٹر کو بتایا کہ ابّا جی گھر پر نہیں ہیں۔ میرے دوست نے شاہ صاحب (سرکار) کو اپنے پاس بلایا اور گود میں اٹھا یا اور پیار کیا اور دس روپے دیئے لیکن شاہ صاحب (سرکار) نے دس روپے نہیں لیے اور زمین پر پھینک دیئے۔ اس نے دوبارہ دیئے تو شاہ صاحب (سرکار) نے دوبارہ بھی انہیں زمین پر پھینک دیا۔ آخر کار وہ ایڈیٹر مایوس ہو کر چلا گیا۔ دوسرے دن اس نے مجھ سے شکایت کی کہ فضل صاحب یہ آپ کا لڑکا کیسا ہے؟ میں نے اسے دو بار دس روپے دیئے لیکن اس نے دونوں مرتبہ وہ پیسے زمین پر پھینک دیئے۔ میں ایڈیٹر سے کیا کہتا؟ بس ہنس کر بات ٹال دی۔ ایک مرتبہ درگاہ خواجہ غریب نواز کے سجادگان اجمیر شریف سے دہلی تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ شاید کسی نے انہیں میرا پتہ بتا دیا تھا۔ وہ اسمبلی کے بعد مجھ سے ملے اور بتایا کہ لوکل گورنمنٹ مزار شریف کا رجسٹریشن کرانا چاہتی ہے۔ اگر جس کسی نے ایسا کیا تو بہت سے خاندان متاثر ہونگے۔ کیونکہ مزار شریف سے جو بھی آمدنی ہوتی ہے اسی پر ان کا گزر اوقات ہوتا ہے۔ لہذا، آپ کچھ کریں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے نہ جانے کیا ہوا شاید خواجہ صاحب نے کچھ نظر کی ہوگی۔ میں نے بھی ان سے وعدہ کر لیا کہ میں آپ لوگوں کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔ وہ خوش ہوئے اور چلتے وقت خواجہ صاحب کا واسطہ دے کر زبردستی مجھے کچھ رقم دے گئے اور کام ہو جانے کے بعد دوبارہ آنے کا وعدہ کیا میں نے بھی اپنے وعدے کے مطابق پوری کوشش کی اور ان کا کام کرا دیا۔ اس کے بعد ہر ماہ سجادگان باقاعدہ میری مالی امداد کرتے اور میں اسے خواجہ صاحب کی طرف سے مدد سمجھ کر قبول کر لیتا۔

سوال۔ ابّا جی سجادہ نشین درگاہ خواجہ غریب نواز کی طرف سے آپ کی باقائدہ امداد کب تک جاری رہی؟

جواب۔ جب تک ہم دہلی میں رہے۔ تقریباً 1947ء تک۔

سوال۔ وہ کیا وجوہات تھیں کہ سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف باقائدہ آپ کی مالی امداد کرتے رہے؟

جواب۔ جناب ! بات یہ ہے کہ اس وقت کے لوگ بہت سچے، احسان مند، روادار ہوا کرتے تھے۔ آجکل کی طرح نہیں کہ کام نکالا اور بھاگ گئے۔ احسان مندی تو کیا پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے۔ معلوم نہیں آجکل کے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ عجیب نفسانفسی ہے۔ (ابّا جی نے بڑے اضطراب سے کہا) انجمن والوں کو تو اللہ ھو نے آپس میں باندھ کے رکھا ہوا ہے۔ ذاکرین آپس میں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اگر آپ لوگ کسی کو برا سمجھتے ہیں یا نفرت کرتے ہیں تو محض اللہ اور اسکے رسول پاک ﷺ کی خاطر اور جو لوگ اولیاء کرام کے دشمن ہیں یا گستاخ ہیں، اُن سے بھی آپ لوگوں کی دوستی نہیں اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔ بہر حال آپ لوگوں کی دوستی یا دشمنی صرف اور صرف اللہ کے لیے ہے۔ آپ لوگوں کو کسی سے کوئی لالچ نہیں ہے۔ آپ لوگوں پر اللہ کی بڑی مہربانی ہے۔ ورنہ باہر کی دنیا دیکھیں تو معلوم پڑتا ہے کہ لوگ کس قدر بیگانے ہیں۔ نہ ان کو دین کی خبر ہے اور نہ ہی آخرت کی۔ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں لگے ہوئے ہیں۔ غافل ہیں اور محبت کی جگہ نفرتوں نے لے لی

ہے۔مسلمان رسوا ہو رہے ہیں۔

خیر، چھوڑیئے ان باتوں کو۔ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ ہاں میں کہہ رہا تھا کہ پہلے زمانے لے لوگ سچے، احسان مند اور روادار تھے۔ اگر کسی کے ہاتھ کوئی ایک مرتبہ کر دے تو ہمیشہ کے لیے اسکا احسان مند ہوتا تھا۔ اس کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ اس ایک سے زیادہ مرتبہ کام آئے۔ بس اسی قسم کا جذبہ ہوا کرتا تھا۔ پہلے کے لوگوں میں ..... جو اب ناپید ہے۔ رہا سوال یہ کہ سجادہ نشین باقاعدہ مالی امداد کیوں کرتے تھے تو اس ضمن میں میرا یہ جواب ہے کہ سجادہ نشین اور اُس کے ساتھیوں نے اپنی آنکھوں سے میری انتھک کوششوں کو دیکھا تھا جو میں ان کے لیے اسمبلی میں کر رہا تھا۔ مجھے اتنے مراحل سے گزرنا پڑتا تھا، وہ بخوبی واقف تھے۔ تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ سجادہ نشین ایک دن صبح سے ہی اسمبلی کے باہر بیٹھے ہوے تھے۔ بڑے پریشان تھے کیونکہ انھیں کوئی لفٹ کرانے کو ہی تیار نہ تھا۔ ان کے ساتھ دو چار آدمی اور بھی تھے، وہ بھی سب گھبرائے ہوئے تھے۔ میں وقفہ کے دوران جب اسمبلی سے باہر آیا تو ان لوگوں پریشان دیکھا۔ از خود ان سے مخاطب ہوا اور ان سے پریشانی کی وجہ پوچھی کہ وہ اسطرح کیوں اسمبلی کے باہر بیٹھے ہوے ہیں۔ ان کا کیا کام ہے۔ وہ فوراً میری طرف لپکے اور گویا ہوئے۔ کہ جناب ہمیں تو یہاں کوئی پہچانتا ہی نہیں۔ آپ ہی نے ہماری طرف توجہ کی ہے۔ ہم تو یہاں صبح ہی سے بیٹھے ہوے ہیں۔ ہم آپ کے بڑے شکر گزار ہونگے اگر آپ ہی ہماری بات سن لیں گے۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا اور اپنی پریشانی کی اصل وجہ بتائی۔ وہ کہنے لگے کہ جناب ! حکومت وقت، درگاہ اجمیر شریف کو اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو سینکڑوں خاندا اس سے متاثر ہونگے۔ دربار ہی کی آمدنی سے ان کی گزر اوقات ہوتی ہے۔ فاقوں تک بھی نوبت آسکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ آپ اس سلسلہ میں ہماری مدد کیجیے اور رہنمائی کیجیے کہ ہم کیا کریں۔ تا کہ یہ انگریز حکومت درگاہ خواجہ غریب نواز کو اپنی تحویل میں لینے کا ارادہ ترک کر دے۔ سجادہ نشین کی عاجزانہ گفتگو نے مجھے بہت متاثر کیا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ انہیں کسی نے میرا پتہ بتا دیا ہے۔ ان کی گفتگو میں بڑی اپنائیت تھی۔ شائد خواجہ صاحب نے نظر کی ہوگی۔

کیا بتاؤں جناب ! یہ ولی حضرات تو ہندوؤں سے بھی کام لے لیتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے ٹھٹھہ والا واقعہ سنا یا پڑھا ہوگا، حضرت شاہ کمال کیتھلی کا۔ آخر مَیں تو مسلمان تھا، ولیوں کو مانتا تھا اور خواجہ غریب نواز جیسی ہستی کے دربار کے حوالے سے کسی کی مدد کرنا تو میرے لیے بڑی سعادت تھی۔ چنانچہ میں نے ان سے زبانی معلومات حاصل کرنے کے بعد ان کا کام کرانے کی حامی بھر لی۔ لیکن اصل حقیقت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ ہی سے یہ کام کرانا چاہتا تھا اور غریب نواز مجھ سے ہی یہ کام لینا چاہتے تھے۔ شائد اس کی وجہ شاہ صاحب (سرکار) تھے۔ یقیناً تھے کیونکہ جب سے شاہ صاحب (سرکار) کی ولادت باسعادت ہوئی تھی تو ہمارے مالی وسائل اچھے ہوتے جا رہے تھے۔ دن بدن نئی راہیں کھلتی جا رہیں تھیں۔ یہ باتیں تو پہلی ہی کہی جا چکی ہیں۔ بہر

حال اس کے بعد میں نے سجادہ نشین صاحب کو تاکید کی کہ وہ آئندہ چار، چھ دن یا ایک ہفتہ کے بعد دہلی تشریف لائیں اور جو کچھ تحریری مواد ہو تو وہ اپنے ساتھ ضرور لیتے آئیں تاکہ ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ اسکے بعد سجادہ نشین اور ان ہی کے ہمراہی دہلی سے رخصت ہوئے اور حسب تاکید دوبارہ آنے کا وعدہ کیا۔ چلتے وقت اپنا ایڈریس اور کچھ رقم مجھے دے گئے تاکہ کہیں آنے جانے کی ضرورت پڑے تو میں اس رقم کو ان کے کام کے سلسلہ میں استعمال کر سکوں۔ انہیں رخصت کرنے کے بعد میں اسمبلی میں آیا اور فوراً ایک ریزویشن تیار کیا۔ اسے دوبارہ اچھی طرح پڑھنے کے بعد خود ہی ٹائپ کیا اور دوسرے دن ممبران اسمبلی کے دستخط کرانے کی مہم کا آغاز کیا۔ یہاں آپ کو ایک اور بات بتاتا چلوں کہ وہ یہ کہ ریزویشن ٹائپ کرنے کے بعد شام کو میں گھر پہنچا۔ عصر کی نماز ادا کی۔ شاہ صاحب (سرکار) قریب ہی کھڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے شاہ صاحب (سرکار) کو اور قریب بلایا اور کہا کہ یار آج ہمارا ایک کام کرو۔ شاہ صاحب نے اپنی بچگانہ زبان میں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ کیا؟ اور کام کرنے کے لیے مستعد کھڑے ہو گئے۔ شاہ صاحب (سرکار) کھڑے سوچ رہے تھے کہ ابّا جی کوئی چیز قریبی دکان سے منگوائیں گے۔ میں نے ان سے کہ نہیں بھئی۔ کوئی چیز نہیں منگوانی۔ میرے ساتھ دربار خواجہ نظام الدین چلو۔ یہ تو مزار پر جانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔ بلکہ بے چین رہتے تھے۔ فوراً تیار ہو گئے۔ میں چلتے وقت ان کے چہرے پر ایک تبسم دیکھا۔ جیسے یہ پوچھ رہے ہوں کہ ابّا جی کام کیا ہے؟ آخر میں نے ان سے کہا کہ آج میں اسمبلی میں اپنے ذمہ ایک کام لیا ہے جو درگاہ خواجہ غریب نواز کا ہے۔ درگاہ خواجہ غریب نواز کو حکومت اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے۔ تم اپنی بابا سے دعا کرنا کہ ایسا نہ ہو بلکہ ابّا جی کامیاب ہوں۔

اس کے بعد شاہ صاحب (سرکار) کو ساتھ ہی لے کر دربار حضرت خواجہ نظام الدین پہنچا۔ وہاں مجھے خواجہ حسن نظامی ملے۔ ان سے میرے خصوصی تعلقات تھے۔ وہ اپنے وقت کی ایک اہم شخصیت تھے۔ بزرگ تھے اور ان کا ہندوستان میں بڑا چرچا تھا۔ انہوں نے میری خیریت پوچھی۔ میں نے انہیں اپنا مدّعا بیان کیا اور دعا کے لیے درخواست کی۔ انہوں نے فوراً شاہ صاحب (سرکار) کی طرف دیکھا اور پیار کرنے لگے۔ اور خاص طور پر سرکار سے کہنے لگے کہ بیٹا کہ تم اپنے ابو کے لیے مزار شریف پر خصوصی کرنا کہ جو کام تمہارے ابو نے اپنے ذمے لیا وہ کام اسمبلی میں بخوبی انجام پا جائے۔ (یاد رہے کہ خواجہ حسن نظامی نے سرکار کے لیے ایک پیشین گوئی کی تھی جو پوری ہو چکی، آئندہ کسی قسط میں پیش کی جائے گی) اسکے بعد ہم مزار شریف پر حاضری دی اور دعا کی۔ نماز مغرب ہم نے وہیں خواجہ حسن نظامی کے ساتھ ادا کی اور اجازت لے کر واپس گھر آ گئے۔

صبح کو حسب معمول اسمبلی پہنچا اور ریزویشن پر دستخط کرانے کی مہم کا آغاز کرتے ہوئے سب سے پہلے خان عبدالقیوم خان سے دستخط لیے۔ وہ اس وقت کانگرس کے ممبر تھے۔ لیکن بعد میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد

صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بھی بننے اور مرکزی وزیر بھی رہے۔ بڑے لیڈر اور بہادر انسان تھے۔ان کے بعد میں نے ریزویشن پر مولانا ظفر علی خان، مولانا شوکت علی خان سے دستخط لیے۔اور سب آخر میں خان لیاقت علی خان سے دستخط لیے۔مزے کی بات یہ ہے اس ریزویشن پر ہندو لیڈروں نے بھی دستخط کیے۔تقریباً تیس پینتیس ممبران نے دستخط کیے جن میں مسلم لیگ سے تعلق رکھنے والے بھی تھے۔کانگرس سے تعلق رکھنے والے ہندو، مسلمان بھی تھے۔اور آزاد ممبر بھی تھے۔سب ہی نے دستخط کر دیئے۔

اب دوسرا مرحلہ ریزویشن کو اسپیکر کے سامنے پیش کرنے کا تھا۔اسپیکر کو اسمبلی میں بڑے اختیار ہوتے ہیں۔وہ چاہتے تو کسی معاملے کو اسمبلی میں زیر بحث لائیں یا نامنظور کرتے ہوئے رد کر دیں۔بہر ہمارے ریزویشن کی اپنی ایک نوعیت تھی۔لہذا میں نے دستخط کرانے کے بعد اپنے ریزویشن کو اسمبلی سیکریٹریٹ میں لے گیا اور متعلقہ افسر کے حوالے کر کے رسید حاصل کر لی۔جب اسپیکر کو یہ ریزویشن پیش کیا گیا تو اسپیکر نے مزید اس پر غور فکر کیا۔بڑی سوچ بچار کے، بڑا محتاط رویہ اختیار کرتے ہوئے اس پر چند اعتراضات لکھے۔کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ بات حکومت وقت کے خلاف جا رہی ہے۔لہذا ایک دم بحث کے لیے منظور کرتا ہوں تو گوروں کی حکومت ناراض ہو جائے گی۔اس طرح وہ ریزویشن بغیر کسی نوٹس کے اسپیکر نے رد کر کے ہمیں واپس کر دیا۔اسپیکر نے اپنے اعتراض میں ایک پوائنٹ یہ بھی لکھا کہ یہ انتظامی معاملہ ہے اس لیے یہ اسمبلی میں زیرِ بحث نہیں لایا جا سکتا۔

ریزویشن کی اس طرح واپسی پر مجھے بہت غصہ آیا۔دل ہی دل میں خواجہ صاحب کو یاد کیا اور عرض کیا کہ خواجہ صاحب یہ کام میں آپ کے حوالے سے خالصتاً انسانی ہمدردی کی بنیاد اور اسلامی جذبہ سے کر رہا ہوں۔آپ میری مدد کریں اور بس اتنا عرض کرنا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے میرے چند اچھے اور قابل ساتھی میرے گرد جمع ہو گئے۔وہ سب قانونی ماہر اور با اثر بھی تھے۔ان سب کو میں نے اس مسئلے سے آگاہ کیا ان سب نے اسپیکر کے ریمارکس پڑھے ہمارا ریزویشن بھی پڑھا۔سب مل کر بیٹھے اور دوسرا ریزویشن تیار کیا۔میرے ساتھیوں نے ریزویشن میں لکھا کہ اگر ہماری اس اپیل پر غور نہیں کیا گیا اور اس معاملے کو اسمبلی میں زیرِ بحث نہیں لایا گیا تو ہم اسمبلی سے باہر احتجاج کریں گے۔جس سے امن و امان کا مسئلہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔کیونکہ یہ مذہبی معاملہ ہے۔اگر آج مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو انگریز حکومت اپنی تحویل میں لے سکتی ہے تو کل ہندوؤں کی عبادت گاہیں بھی محفوظ نہیں رہ سکتیں وغیرہ وغیرہ۔ریزویشن تیار ہوتے ہی میں نے 35 یا 40 کاپیاں خود ہی ٹائپ کیں۔اس زمانے میں فوٹو اسٹیٹ مشین نہیں تھی۔لہذا سارا کام ٹائپ ہی سے ہوتا تھا۔اس کے بعد ممبران کو میں نے ایک ایک کاپی فراہم کر دی اور دوسری ایک کاپی پر ان سے دستخط لے لیے۔

جیسے ہی نمائندگان ممبر حضرات کو اسپیکر کے اعتراضات کا پتا چلا وہ سب مجھے زوردار انداز میں کہنے لگے کہ ہمیں کچھ مواد

دو۔ بہر حال میں سیکنڈ ریزویشن بھی دوبارہ اسمبلی سیکرٹریٹ میں جمع کرادیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہر ممبر ذہنی طور پر اس ریزویشن پر متفق ہے۔ اسمبلی میں ایک نئی موومنٹ بن چکی ہے اور اسمبلی میں چہ میگوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔ اِدھر چودھری محمد علی (سابق وزیر اعظم پاکستان) مجھے تمام حالات سے باخبر رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے کئی اہم معلومات فراہم کیں اور بتایا کہ حکومت پریشان ہے کہ اتنی خفیہ اسکیم یعنی درگاہ اجمیر شریف کو اپنی تحویل میں لینا قبل از وقت کس طرح آوٹ ہوگئیں۔ ان معلومات کی وجہ سے میں اور بھی پُر جوش ہوتا جارہا تھا اور میرا پکا ارادہ تھا کہ یہ کام کسی بھی طریقہ سے کرانا ہے۔ اُدھر سب ممبران کو یہ بھی معلوم تھا کہ قائداعظم مجھ پر بہت مہربان ہیں۔ لہٰذا، بہت سے سرکردہ مسلم لیگی لیڈر مجھے فرداً فرداً آ کر ملتے۔ موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے میں اخبار والوں کو بھی سگنل دے دیا تھا اور وہ بھی سب الرٹ ہوگئے اور یہ کسی نئی ہنگامہ خیز خبر کے منتظر تھے۔

حکومت کی اپنی ایک پالیسی ہوتی ہے اور اس طرح حکومت نے ممکنہ ہنگامہ آرائی سے بچنے کے لیے اسپیکر کو مشورہ دیا اور اس طرح اسپیکر کو ہمارا دوسرا ریزویشن اسمبلی میں بحث کے لیے منظور کرنا پڑا۔ اسپیکر نے ہمیں ہفتہ دس دن کی تاریخ دی اس طرح پہلی کامیابی پر مجھے بڑی خوشی ہوئی میں نے فوراً سجادہ نشین خواجہ غریب نواز اجمیر شریف ٹیلی گرام کیا کہ فلاں تاریخ کو دہلی پہنچ جاؤ اور جو بھی ثبوت اس سلسلہ میں آپ کے پاس ہوں لیتے آؤ تا کہ انہیں بوقت ضرورت ثبوت کے طور پر اسمبلی میں پیش کیا جاسکے۔

سوال۔ ابّا جی کیا سجادہ نشین مقررہ تاریخ پر دہلی پہنچ گئے تھے اور کیا وہ اپنے ساتھ کچھ تحریری مواد بھی لائے تھے؟

جواب۔ جی ہاں! سجادہ نشین مقررہ تاریخ پر دہلی پہنچ گئے تھے اور کچھ تحریری مواد بھی اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ انہوں نے مجھے کچھ خطوط دیئے تھے جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان میں کچھ خطوط ڈپٹی کمشنر اجمیر شریف کے تھے جو حکومت اور کمشنر کے مابین تھے اور کچھ خطوط ڈپٹی کمشنر کے تھے جو اس سجادہ نشین کو لکھے تھے اور اسی طرح کے کچھ اور خطوط حکومت اور لوکل انتظامیہ کے بھی تھے جو وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کو لکھے جاتے رہے تھے۔ بہر حال یہ تمام ثبوت مجھے مل گئے اور ان سب کی نقول میں نے تمام ممبران کو فراہم کردی تھیں۔ بالآخر وہ وقت بھی آن پہنچا جب تمام ممبران اور قائدین آہستہ آہستہ اسمبلی میں پہنچنا شروع ہوگئے۔ اسپیکر کی اجازت سے اسمبلی کی کاروائی کا آغاز ہوا۔ میں نے سجادہ نشین اور ان کے ساتھیوں کے اسمبلی پاس بنوادیئے تھے تا کہ وہ خود اسمبلی میں بیٹھ کر درگاہ اجمیر شریف کو اپنی تحویل میں لینے کے خلاف بالخصوص اپنے قائدین کی تقاریر سن سکیں اور یہ بھی دیکھ لیں کہ حکومت کو اپنی اس پالیسی کی وجہ سے کتنی بڑی مخالفت کا سامنا ہے۔ حکومت کی اس پالیسی پر ہندو مسلمان خواہ ان کا تعلق کسی بھی پارٹی سے تھا سب ایک ہوگئے۔ آزاد ممبران بھی اس پوائنٹ پر متفق ہوگئے تھے۔ سب کا یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ درگاہ خواجہ غریب نواز کو کسی بھی قیمت پر حکومت کی تحویل میں نہیں جانے دیں گے۔ اسمبلی میں ہندو مسلمان اتحاد دیکھ کر حکومت بھی گھبرا گئی تھی کہ اس کے لیے کوئی نیا مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے جو حکومت کے کنٹرول سے بھی باہر ہو جائے۔

ابّا جی نے فرمایا: میں تو یہ ہی کہوں گا کہ یہ بھی خواجہ صاحب کی ایک کرامت تھی آپ خود غور کیجیے کہ اس زمانے میں مسلم لیگ کی تحریک ابھر رہی تھی۔ ہر طرف یہ نعرے ہوا کرتے تھے "بٹ کے رہے گا ہندوستان، لے کے رہیں گے پاکستان" اس زمانے میں بڑی کشیدگی ہوا کرتی تھی ہندو کانگریس کو سپورٹ کیا کرتے تھے اور مسلمان مسلم لیگ کو سپورٹ کیا کرتے تھے۔ ہندو مسلم فساد بھی ہو جایا کرتے تھے۔

ان حالات میں ہندو مسلم لیڈران کا اسمبلی میں یکجا ہو جانا خواجہ صاحب کی نظرِ کرم ہی تو تھی کہ اس اتحاد سے گھبرا کر حکومت آگے قدم نہ بڑھا سکی لیکن ایک بات کی یاد دہانی کراتا چلوں جو آپ نے گذشتہ قسط میں پڑھ لی ہوگی وہ یہ کہ میں شاہ صاحب (سرکار) کو ساتھ لے کر ایک شام کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے دربار پر حاضر ہوا تھا شاہ صاحب (سرکار) سے میں بھی دعا کے لیے کہا تھا اور خواجہ حسن نظامی نے بھی دعا کے لیے کہا تھا۔ حالانکہ شاہ صاحب (سرکار) کی عمر اس وقت بمشکل چار یا پانچ سال ہوگی۔

میں نے پہلے فرمایا تھا کہ میری کوئی حاجت ہوتی تھی تو میں محبوبِ الٰہی کے دربار پر دعا کرتا تھا۔ ویسے فجر کی نماز ہمیشہ محبوبِ الٰہی کے مزار سے ملحق مسجد میں ہی ادا کرتا تھا اور دیگر نمازیں بھی کوشش کر کے وہی پڑھتا تھا۔ یہ بتا رہا تھا کہ درگاہ خواجہ غریب نواز اپنی تحویل میں لینے کی پالیسی کیخلاف ہندو مسلمان لیڈر سب ایک ہو گئے تھے۔ اسمبلی میں تقریر کا آغاز ہونے والا تھا۔ سامنے کی نشستوں پر ایک طرف قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے ساتھ بشمول لیاقت علی خان دیگر لیڈر بیٹھے تھے اور دوسری طرف پنڈت جواہر لال نہرو بمعہ اپنے ساتھیوں کے بیٹھے ہوئے تھے۔ حکومت کی نمائندگی چودھری ظفر اللہ کر رہے تھے جو اس وقت منسٹر لا اینڈ آرڈر تھے۔ اس زمانے میں کسی مسلمان کا وزیر ہونا بہت بڑی بات تھی۔ ہمارے ریزویشن پر حکومت کی برائے نام نمائندگی سے اسمبلی میں دو قسم کے تاثرات اُبھر رہے تھے۔ ایک تو یہ کہ حکومت اس مسئلہ پر ہندو مسلم اتحاد سے بہت زیادہ گھبرا گئی تھی یا حکومت یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ مسئلہ حکومت کے لیے قطعی اہم نہیں ہے۔ اس ملے جلے رجحان نے اسمبلی میں سب کو اور زیادہ مستعد کر دیا تھا۔

بالآخر سب سے پہلے مولانا شوکت علی خان تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ وہ کھڑے ہوتے ہی نہایت جارحانہ انداز میں بولے اور بہت پر جوش تقریر کی۔ پہلے اسمبلی کے اندر انگریزی میں تقریر ہوا کرتی تھی اور سجادہ نشین بھی بڑے انہماک سے تقریر سن رہے تھے۔ انہیں بھی تھوڑی بہت انگریزی آتی تھی اور وہ کچھ سمجھ رہے تھے اور کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مولانا شوکت علی خان نہایت پر جوش تقریر کر رہے تھے۔ اسمبلی میں سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔ انہوں نے غصہ میں کہا یہ اچھی حکومت ہے جو ہر طرح سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ ہماری جان و مال کے علاوہ اب یہ حکومت ہمارے بزرگ جن کی ہم

پیروی کرتے، ان کے مزاروں کے پیچھے بھی پڑ گئی ہے۔ مزارات کو بھی اپنے قبضہ میں لینا چاہتی ہے۔ اس مسئلہ پر ہم کسی حالت میں بھی حکومت کی تائید نہیں کریں گے۔ اگر حکومت کے خیال میں ایسی کوئی بات ہے تو وہ اپنے دل و دماغ سے یہ بات نکال دے۔ اس کے بعد مولانا ظفر علی خان نے تقریر کی۔ انہوں نے بھی بڑی زوردار تقریر کی اور اسمبلی کو ہلا کر رکھ دیا۔ دوسرے مسلم لیڈروں نے بھی کم وبیش اسی انداز میں تقریر کی۔ ہندو لیڈروں نے بھی تھوڑی بہت تقریریں کیں۔ خصوصاً بھولا بھائی ڈیسائی نے بڑے زبردست تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک قوم کی دل آزاری ہو رہی ہے۔ اگر حکومت کا ایسا کوئی خیال ہے تو وہ اسے ترک کر دے۔ تھوڑے بہت نہرو بولے یا دنہیں کہ کیا بولے۔ بہر حال میں نے دیکھا کہ وہ سامنے اپنی نشست پر بیٹھے مسکرا رہے تھے اور ڈیسائی کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ سر ظفر اللہ جو اس وقت حکومت کی نمائندگی کر رہے تھے وہ بھی زیر لب مسکرا رہے تھے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کا جھکاؤ بھی ہمارے ریزویشن کے حق میں تھا۔

میں یہاں ظفر اللہ کے عقیدے کی بات نہیں کرتا وہ جو کچھ بھی تھے لیکن سر ظفر اللہ صاحب بہت عمدہ آدمی تھے۔ نہایت ملنسار، شفیق، ہمدرد اور انتہائی قابل شخص تھے۔ میں ان کے حسن اخلاق سے بہت متاثر تھا۔ میری ان سے بہت اچھی گپ شپ تھی حالانکہ وہ اس وقت بڑے منصب پر فائز تھے۔ لیکن میری ان سے عام ملاقات تھی۔ کبھی کبھی میرے پاس خود ہی چل کر آ جایا کرتے تھے۔ اگر ان کا کوئی ذاتی نوعیت کا کام ہوتا تو مجھ سے مشورہ ضرور کرتے تھے۔ بس یہ سمجھئے کہ ان کا حسن ظن تھا ورنہ میں اس قابل نہ تھا۔ اس زمانے میں ان پر یہ الزام لگا تھا کہ وہ انگریز حکومت میں مسلم لیگ کے ایجنٹ ہیں۔ یہ خبر اکثر گشت کرتی کہ آج انہیں جناح صاحب کی کوٹھی پر دیکھا گیا ہے۔ ایک اتنے بڑے وزیر کا ایک ممبر کی کوٹھی پر کیا کام ہو سکتا ہے۔ وہ کوٹھی پر جاتے ہوں اور کسی ہندو نے دیکھ لیا ہو۔ ویسے میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ جاتے تھے۔ واقعی وہ اندر سے مسلم لیگ سے ملے ہوئے تھے لیکن کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ ان پر جب بہت زیادہ اُنگلیاں اُٹھنے لگیں تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ مسلم لیگ ابھی نئی نئی ابھر رہی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ مسلمان متحد ہوں۔ ایک طاقت بنیں۔ مجھے مسلمانوں سے ہمدردی ہے اور مسلم لیگ سے عقیدت ہے۔ میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔ حکومت کے خلاف کچھ کہوں یا اپنی ڈیوٹی سے کوتاہی کروں تب کوئی بات ہے انہوں نے بڑی جرأت سے سب اعتراضات رد کر دیئے۔ آخر کار وہ متحدہ ہندوستان کے فیڈرل کورٹ کے جج بھی رہے تھے۔ مختصر یہ کہ وہ بہت لائق اور قابل ترین شخص تھے اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد ہو پاکستان کے وزیر خارجہ بھی رہے۔ عالمی عدالت کے جج بھی رہے۔ سلامتی کونسل سے منسلک رہے اس کے علاوہ یو این او میں انہوں نے مسئلہ کشمیر بھی اُٹھایا تھا۔

جب سب تقریریں کر چکے تو سر جیمس کیلر نے جو اس وقت عہدہ پر فائز تھے، نہایت تحمل سے جواب دیا اور کہنے لگے کہ میں نے مقررین کی تقریریں بڑے غور سے سُنی ہیں۔ ہم اس کیس پر غور کریں گے۔ متعلقہ ڈپٹی کمشنر اور گورنر سے پوچھیں گے کہ

درگاہ اجمیر شریف کا کیا معاملہ ہے۔اس طرح ایک مرتبہ یہ کیس پھر التوا میں ڈال دیا گیا۔لیکن یہ یقین بھی دلایا کہ فیصلہ جلد کریں گے۔

خیر جناب! اس کے بعد میں نے اس سلسلہ میں کئی اور معلومات حاصل کیں اور ایک دن چودھری محمد علی سے ملا۔انہیں اس ریزویشن کا علم تو پہلے سے ہی تھا۔میں نے اس سے کہا کہ اب یہ کیس کس اسٹیج پر ہے۔کیا (progress) پروگریس ہے اور معلوم کریں کہ یہ کام ہوم منسٹری کر سکتی ہے۔محمد علی خود بھی سر جیمس کے پی اے تھے۔کیونکہ اسمبلی میں چودھری صاحب کے میں بہت کام آتا تھا۔اکثر ان کے کام مجھ سے زیادہ پڑتے تھے۔لہذا انہوں نے کہا کہ تم فکر مت کرو۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ ہو یا فنانس میرے لیے دونوں ایک ہیں۔میں وہ فائل منگوا کر اس کے حوالے کر دوں گا۔میں نے ضروری کاغذات اس فائل سے حاصل کیے۔حکومت تمام محکمہ جاتی کاروائی اس کیس میں مکمل کر چکی تھی۔تمام افسران کے دستخط ہو چکے تھے۔یہاں تک وائسرائے نے بھی دستخط کر دیئے تھے اور احکامات صادر کرنے کے لیے اجازت دے دی تھی کہ درگاہ اجمیر شریف کا انتظام وہاں کے سجادہ نشین ہی کے کنٹرول میں رہے گا۔حکومت اسے اپنی تحویل میں لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔یہ پڑھ کر مجھے خوشی ہوئی۔میں نے فوراً دوبارہ سجادہ نشین کو دہلی آنے کے لیے ٹیلی گرام کیا۔ان کے آنے پر وہ تمام کاغذات میں نے انہیں دکھائے اور بہت بہت مبارک دی کہ لو جناب فیصلہ آپ کے حق میں ہو گیا۔مجھے بھی اپنی اس کامیابی پر بہت زیادہ خوشی ہوئی تھی۔سجادہ نشین تو بے حد خوش ہوئے اور مجھے بہت کچھ دیا۔وہ اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے میرا ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا اور خود بھی اکثر مجھ سے ملنے آتے تھے۔بہت احسان مند ہوتے تھے کچھ نہ کچھ ضرور لاتے اور شاہ صاحب (سرکار) کو بھی دے جاتے تھے۔ایک مرتبہ ہمیں اجمیر بلا کر بھی بہت کچھ دیا۔

شاہ صاحب (سرکار) بھی ان سے جو بھی وہ دیتے لے لیتے تھے۔حالانکہ شاہ صاحب (سرکار) کسی سے بھی کچھ نہ لیتے تھے۔بہر حال اس سلسلہ میں مالی امداد اپنی جگہ ہے لیکن جناب اس کامیابی پر عزت بہت ہوئی۔گھر والے بھی، خاندان والے بھی سب خوش ہوئے۔اکثر یہ کہتے جب سے یہ لڑکا ہوا ہے کسی نہ کسی طریقہ سے ہماری مالی امداد ہوتی رہتی ہے۔کبھی اخبار کے ذریعہ، کبھی اسمبلی کے ذریعے۔اگر ایک ذریعہ سے آمدنی کم ہوتی ہے تو دوسرے ذریعہ سے اور زیادہ مدد ہوتی ہے۔آخر میں ابّا جی نے فرمایا کہ ہماری کوشش تو ایک بہانہ تھی جو ظاہر میں ہم نے خواجہ صاحب کی مدد کی اور خواجہ صاحب نے باطن میں ہماری مدد کی۔خیر! ہم کیا خواجہ صاحب کی مدد کرتے یہ تو اُن کی مہربانی تھی اور شاہ صاحب کی ولادت کی وجہ سے ہمارے گھر میں ایک برکت تھی۔

سوال۔ہم نے سُنا دہلی ہے کہ آپ کی دکانیں بھی تھی؟

جواب۔ایک میری دکان تھی اور ایک میرے ماموں کی تھی۔

سوال۔آپ کی دکان کس چیز کی تھی اور کتنی آمدنی ہو جایا کرتی تھی؟

جواب۔ جنرل اسٹور تھا۔ میں شام کو اسمبلی سے آ کر بیٹھا کرتا تھا۔ بس تھوڑی دیر کے لیے۔ باقی ماموں ہی اُسے سنبھالتے تھے۔ کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو شاہ صاحب (سرکار) کی والدہ نوٹ کر لیتی تھی۔ کوئی ضروری چیز اگر منگوانی ہوتی تو شاہ صاحب (سرکار) کو بھیج کر منگوا لیتی تھیں۔ جنرل اسٹور ہمارے گھر کے نزدیک ہی تھا۔ اس اسٹور سے ہماری کوئی خاص آمدنی نہیں ہوتی تھی لیکن سہولت بڑی تھی۔ جس وقت بھی کسی چیز کی ضرورت پڑتی ہمیں با آسانی مل جاتی تھی۔ ورنہ کوئی خاص آمدنی نہ تھی جس کا ذکر کیا جائے۔

سوال۔ ابّا جی یہ بتایئے آجکل کی طرح اُس زمانے میں بھی خواتین سیاست میں اور اسمبلی میں آیا کرتی تھیں۔

جواب۔ جی ہاں! اُس زمانے میں بھی خواتین سیاست میں دلچسپی رکھتی تھیں۔ بہت سی مسلم خواتین اُس وقت سیاست کے اُفق پر تھیں۔ چند ایک کے نام مجھے یاد ہیں، جن میں محترمہ فاطمہ جناح، بیگم شائستہ اکرم اللہ، لیڈی عبداللہ ہارون، بیگم ایم ایچ اصفہانی وغیرہ شامل ہیں۔ بہر حال یہ جذبہ مجھے ہندوستان میں عام دیکھنے میں آیا کہ مسلم لیگ کے پرچم تلے جہاں مرد حضرات پاکستان میں حصہ لیتے تھے وہاں گھر گھر خواتین بھی سرگرم عمل تھیں۔ حالانکہ اس زمانے میں پردے کی سخت پابندی تھی لیکن یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ خواتین ٹولیوں کی شکل میں گھر گھر جا کر دیگر خواتین کو مسلم لیگ کا پیغام پہنچاتی تھیں اور انہیں سمجھاتی تھیں۔ یہ ایک زبردست تحریک تھی جس میں خواتین بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔

یہاں ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں جو جذبہ کارفرما تھا اس کے پسِ پشت تاریخ اسلام اور بزرگانِ دین کی وہ جدوجہد تھی جو صدیوں سے کرتے چلے آئے تھے۔ یہاں خواتین کے حوالے سے ایک بار پھر کہوں گا کہ اس جذبہ کی جھلک مجھے آپ کی انجمن میں (جو میری بھی ہے) نظر آتی ہے۔ اللہ کے فضل سے انجمن سرفروشانِ اسلام پاکستان سے وابستہ خواتین جو ذکر و فکر میں لگی ہوئی ہیں ان کی یہ خواہش ہوتی ہے بلکہ خواہش ہی نہیں بلکہ عملی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے محلے، پڑوس، رشتہ دار خواتین کو ذکر میں لگائیں۔ انشاءاللہ جب ذاکرات مائیں، بہنیں اپنی اولاد کو، اپنے شوہروں کو، اپنے بھائیوں کو ذکر کی ترغیب دیں گیں اور اس وسیلے سے جن کے قلوب جاری ہو جائیں گے اور مرشد کامل کی نگاہ سے تو ہمیشہ جاری رہیں گے، انشاءاللہ۔ لہذا! یہ خوشبو تا قیامت پھیلتی رہے گی اور اس طرح یہ تحریک باقی اور زندہ رہے، انشاءاللہ۔

اب رہا سوال کہ اس زمانے میں بھی اسمبلی کے اندر خواتین آیا کرتی تھیں؟ تو میرا مختصراً جواب یہ ہے۔ جی ہاں! آیا کرتی تھیں اور بڑی باپردہ خواتین ہوتی تھیں۔ نظام دکن کی بہو شہزادی نیلوفر بھی اکثر اسمبلی میں مہمان گیلری میں دیکھنے میں آتی تھیں۔ ان کے علاوہ دو اور معروف خواتین جو ہندو تھیں، وہ بھی آیا کرتی تھیں۔ ان میں سے ایک تھی وجے لکشمی پنڈت (جواہر لال نہرو

کی بہن) دوسری تھیں مسز اندرا گاندھی (جواہر لال نہرو کی بیٹی)۔سب جانتے ہیں کہ وہ بعد میں دومرتبہ ہندوستان کی وزیر اعظم رہی ہیں۔دونوں خواتین بھی مجھ سے واقف تھیں۔ اکثر میری ان سے بات چیت ہوتی تھی۔ان کی شادیاں وغیرہ بھی ہمیں یاد ہیں۔بہت مشہور ہوئی تھیں، پرانے لوگ جانتے ہونگے۔آخری سوال کے طور پر ہم نے ابّا جی سے ایک اور سوال کیا۔

سوال۔چند اور شخصیتیں جن سے آپ کی ملاقات رہی ہو،جن سے کچھ سُنا ہو کچھ دیکھا ہو؟

سواب۔جامع مسجد اور لال قلعہ دہلی کے درمیان ایک بڑا میدان تھا (اب نہ جانے وہاں کیا حال ہے)۔ہر بڑا جلسہ اسی میدان میں ہوا کرتا تھا۔وہاں ہم نے بہت سے چوٹی کے لیڈروں کو سُنا ہے۔ہم نے نظام دکن کو سُنا ہے ان کی پارٹی میں شرکت کی ہے (یہاں پارٹی سے مراد دعوت ہے)۔تو اب بہادر یار جنگ کو بھی سُنا ہے۔بہت زبردست مقرر تھے۔جب تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ کوئی سمندر بہہ رہا ہے۔حسرت موہانی سے ملاقات کی ہوئی ہے جو بڑے ملنگ اور درویش صفت انسان تھے۔علامہ اقبال کو بھی سُنا ہے۔انکی تقریر اپنی جگہ لیکن انکی تقریر سے زیادہ انکی نظمیں جلسوں کو گرمایا کرتی تھیں۔

اس قسط کے بعد چونکہ ابّا جی حج پر تشریف لے گئے۔اس لیے حج کی روانگی کا احوال بھی درج کیا جارہا ہے۔

اراکین انجمن کے علم میں ہے کہ ابّا جی امسال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے ارض مقدس تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے ہمراہ سرکار کی والدہ ماجدہ بھی تھیں۔اس کے علاوہ دیگر ذاکرین اور ذاکرات بھی تھیں جو ایک 20 رُکنی گروپ کی شکل میں ابّا جی کے ہمراہ تھا۔

23 مئی 1991ء کی صبح تقریباً دس بجے کی فلائٹ سے ابّا جی کی اپنے گروپ کے ساتھ کراچی ائر پورٹ سے ارض مقدس روانگی تھی۔چنانچہ حیدرآباد سے ہم بھی آستانہ عالیہ کراچی پہنچ گئے جہاں ابّا جی کا قیام تھا۔ صبح فجر کی اذان ہوئی،تمام ساتھی نماز فجر کے لیے تیار ہوئے اور اسی دوران ابّا جی احرام باندھے ہوئے ذاکرین کے درمیان تشریف لائے۔تمام ذاکرین نے کھڑے ہوکر استقبال کیا۔امامت کے فرائض قائم مقام صدر محمد الیاس میمن نے ادا کیے۔بعد نماز فجر ائر پورٹ جانے کی تیاریاں کی گئیں۔صبح کا سہانا وقت تھا۔کعبتہ اللہ اور روضہ رسول پاک ﷺ پر حاضری کے تصور سے وہاں موجود تمام ذاکرین کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں تھیں۔دوسری جانب آستانہ عالیہ کراچی کے مرکزی دروازہ پر سرکار کی سفید چمکتی ہوئی کاران حاجیوں کو ائیر پورٹ لیجانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ذاکرین نے استقبالیہ قطار بنائی اور ابّا جی اور اماں جی نے تمام ذاکرین کے سروں پر دست شفقت فرمایا اور بہت بہت دعائیں دیں۔اس وقت فضا مکمل روحانی ہوچکی تھی۔بڑا روح پرور منظر تھا۔بہرحال سرکار کی کاران حاجیوں کو لے کر ائر پورٹ کی جانب روانہ ہوئی اور پیچھے پیچھے ہم بھی اپنی کار کے ذریعے ائر پورٹ جانے کے لیے روانہ ہوئے۔

حاجیوں کا یہ قافلہ تقریباً سات بجے کراچی ائیر پورٹ پہنچ گیا۔فلائٹ کو تھوڑی دیر تھی اور دوسرے ذاکرین بھی آہستہ آہستہ وہاں پہنچنا شروع ہو گئے تھے اور ٹولیوں کی شکل میں آنے والے دیگر حاجیوں کا گھوم پھر کر جائزہ لیتے رہے۔ابّا جی ان تمام باتوں سے بے نیاز الگ ایک بینچ پر جا کر بیٹھ گئے اور راقم الحروف کو اپنے کو اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔اس وقت ابّا جی کا تحمل قابل دید تھا۔راقم نے موقع کی غنیمت جان کر ماہنامہ سرفروش کے لیے گفتگو کی۔ابّا جی نے ہر سوال کا جواب نہایت تحمل سے دیا۔ ابّا جی کی روحانی کیفیت دیکھتے ہوئے مناسب سمجھا کہ اس وقت از خود جو کچھ کہیں وہ بہتر ہے۔چنانچہ ابّا جی کی گفتگو نہایت اعلیٰ تجربہ،مشاہدہ اور روحانیت پر مبنی تھی۔دوران گفتگو ابّا جی نے ماضی کا تذکرہ بہت عمدہ پیرائے میں کیا اور سرکار کے متعلق بچپن کے کئی واقعات سُنائے اور ہمیں بھی ہدایت کی کہ جو لوگ اپنا کام وقت پر کرتے ہیں وہ بڑے کامیاب رہتے ہیں اور اللہ انکی مدد کرتا ہے۔آپ لوگ بھی وقت کو نہ ضائع ہونے دیں اور فائدہ اٹھائیں۔وقت کی رفتار کو کوئی روک نہیں سکتا،ابھی ہم محو گفتگو تھے کہ فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہوا۔دیکھتے ہی دیکھتے ایک جم غفیر ہمارے ساتھ تھا۔ابّا جی کے سرخ وسفید رنگ اور اس پر سفید احرام نے ابّا جی کی شخصیت کو بہت نمایاں کر دیا تھا۔

اطراف میں جتنے بھی لوگ تھے سب کی نظریں ابّا جی پر تھیں۔لوگ بڑی عقیدت سے ابّا جی کو آ کر دیکھتے اور سلام کرتے۔کچھ حضرات تو آ کر ملے، نہ جانے کون تھے۔ابّا جی یکا یک خاموش ہو گئے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد گویا ہوئے تو سرکار کے لیے بہت دعائیں کیں اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔نظریں آسمان کی طرف اٹھائیں اور عاجزی کے ساتھ بار بار کہا "یا اللہ! میں تو گنہگار تھا اور میں نے اس سعادت کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا اور اے اللہ! تیرا شکر گذار ہوں"۔اس کے بعد کھڑے ہو گئے اور تمام ساتھیوں سے رخصت چاہی۔رخصت ہوتے وقت ایک بار پھر سب کی آنکھوں میں آنسوں چھلک اٹھے۔ابّا جی اور اماں جی نے ایک مرتبہ پھر سب کو دعائیں دیں اور اپنے گروپ کے ہمراہ اپنی اگلی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

قارئین کرام، اُس مرتبہ حج اکبر تھا۔سرکار کی تعلیمات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابّا جی کو وہ سعادتیں حاصل ہوئیں جو کسی خاص مقرب ترین بندے کو نصیب ہوئی ہونگی اور آپ نے گذشتہ اقساط میں یہ بات محسوس کی ہو گی کہ ابّا جی نے اپنی گفتگو کے دوران ایک بہت متحرک شخصیت کا تذکرہ اکثر جگہوں پر کیا ہے۔ہم نے انٹرویو کے دوران شدت سے محسوس کیا کہ ابّا جی اس ہستی کے بہت گرویدہ ہیں۔ابّا جی کا کہنا ہے کہ وہ میرے بڑے ہمدرد تھے۔مجھے جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو میں ان ہی سے مشورہ کرتا۔دعا کے لیے بھی عرض کرتا۔میرے اُن سے گہرے مراسم تھے۔جب بھی ان سے دعا کے لیے عرض کرتا وہ میرے ہمراہ حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کے دربار پر حاضر ہوتے اور میرے لیے دعا کرتے۔اس کے علاوہ میری ظاہری مدد بھی کرتے۔یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے ایوانوں تک میری رسائی تھی۔برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا شوق رکھنے والے

حضرات انکی شخصیت سے بخوبی واقف ہیں۔وہ شخصیت تھی محترم جناب خواجہ حسن نظامی ۔ یہاں پر ہم اپنے قارئین کی معلومات میں اضافہ کی غرض سے ان کی شخصیت پر مختصر سی روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ سرکار نے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم مدرسہ نظامیہ میں حاصل کی جو کہ درگاہ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے احاطہ میں واقع تھا اور اس کے مہتمم حضرت خواجہ حسن نظامی ہی تھے۔

حضرات محترم! ابّا جی سے بیشتر مواقعوں پر گفتگو ہونے کے سبب مجھ پر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ حضرت خواجہ حسن نظامی نے از خود ابّا جی کو پیشکش کی تھی کہ اس بچہ کو میرے مدرسہ میں داخل کرادیں کہ بڑا ہونہار بچہ ہے۔ یہاں اگر میں کہوں کہ جوہری نے ہیرے کو پہچان لیا تو بے جا نہ ہوگا۔خواجہ حسن نظامی خود بھی بزرگ تھے اور بزرگوں کی اولاد تھے۔ چنانچہ سرکار کے استادوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوانا باعث فخر جانتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ خواجہ صاحب نے سرکار کے لیے ایک پیش گوئی بھی فرمائی تھی جو آج پایہ تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔

خواجہ حسن نظامی حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی اولاد میں سے تھے۔آپ کی زندگی جدوجہد، محنت اور اپنی مدد آپ کی بہترین مثال ہے۔آپ نے زندگی کی ابتدا ایک معمولی کتب فروش کی حیثیت سے کی اور رفتہ رفتہ اخباروں میں مضامین لکھنے لگے۔ پھر کتابیں لکھنا شروع کردیں۔زیادہ تر مذہبی اور اصلاحی لٹریچر لکھا۔کئی اخبار اور رسالے جاری کیے۔اخبار مَنادی میں روزنامچہ لکھتے۔مصر، شام، عرب کی سیاحت کی۔ جامعۂ ازہر (مصر) سے عربی کی تعلیم حاصل کی اور ادبی خدمات کے صلے میں حکومت وقت نے آپ کو شمس العلماء کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ پورے ملک میں آپ کی شہرت ہوچکی تھی۔ بڑے بڑے اکابرین سیاسی لیڈر، دانشور، حکمران اور نواب بھی آپ کی بڑی عزت کرتے تھے اور آپ کے مرید بھی تھے۔ ہر طرف آپ کا چرچا تھا۔آپ نے کم اور محدود علم رکھنے والے مسلمانوں (مرد و خواتین) کے لیے جن کی تعداد بہت زیادہ تھی، قرآن کا علم پہنچانے کی غرض سے اک عام فہم تفسیر لکھی۔اس تفسیر کا نام اسی لحاظ سے عام فہم تفسیر رکھا۔ یہ بھی آپ کا بڑا کارنامہ ہے۔آپ لکھتے ہیں کہ آریہ سماج نے مسلمانوں کے بے دین اور مرتد بنانے کا بیڑا اُٹھایا ہوا تھا۔اسلامی شعائر سے ناواقفیت کی بنا پر ہزاروں مسلمان بے دین اور مرتد ہوگئے تھے۔ان حالات کو دیکھ کر میرا کلیجہ منہ کو آنے لگا اور ہندوستان میں میرا جینا تلخ ہوگیا۔ یہ خیال بار بار میرے دل کو پریشان کرنے لگا۔کل قیامت کے دن اگر رسول ﷺ اور اولیاء اللہ جنہوں نے ہندوستان کے لاکھوں آدمیوں کو مسلمان کیا تھا، اگر انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ ہندوستان میں ہزاروں مسلمان مرتد ہوگئے تھے اور تو چپ چاپ بیٹھا رہا۔مسلمانوں کی سلامتی ایمان کے لیے تو نے کچھ کام نہ کیا؟ تو میں کیا جواب دونگا اور مجھے شرمندگی ہوگی چنانچہ اس خیال سے میں تبلیغ دین کے لیے ہمہ تن مصروف ہوگیا۔آپ نے تادم حیات دین کے لیے مثالی کام کیے اور 79 سال کی عمر میں وفات پائی اور دہلی میں حضرت محبوب الٰہی

کے درگاہ شریف کے قریب ہی آسودہ خاک ہیں۔

قارئین کرام! سرکار (مُرشد پاک سیدنا ریاض احمد گوہر شاہی) کے متعلق تین واقعات پیش خدمت ہیں جو ابّا جی نے اپنی ڈائری سے نوٹ کرائے:

عید الفطر کا دن تھا۔ حضرت خواجہ حسن نظامی نے اسمبلی اسٹاف کے لیے محبوب الٰہی کے دربار پر عید ملن پارٹی کا اہتمام کیا۔ عید کی نماز ہم نے دربار پر ہی پڑھی۔ سرکار بھی میرے ساتھ تھے۔ نماز کے بعد ہم لان میں جہاں پارٹی کا اہتمام تھا، چلے آئے۔ میزوں پر رنگ برنگے کھانے خصوصاً سویاں بڑے سلیقے سے سجی ہوئی تھیں۔ ہم سب نے بچوں کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس کے بعد خواجہ صاحب نے سب بچوں کو تحائف پیش کیے۔ کسی کو کچھ پیش کیا اور کسی کو کچھ لیکن سرکار کو ایک عطر کی شیشی پیش کی۔ اس کے بعد خواجہ صاحب نے سب کو دربار پر حاضری کی دعوت دی۔ میں دیکھتا ہوں کہ سرکار سب سے آگے آگے جا رہے ہیں اور ہم کو اندر جانے کا راستہ بتا رہے ہیں۔ سرکار کے یہ انداز دیکھ کر خواجہ صاحب بہت خوش ہوئے۔ دربار پر سب نے دعا کی اور سلام پڑھا جب چلنے لگے تو سرکار نے عطر کی شیشی کھولی اور ساری کی ساری محبوب الٰہی کی قبر پر انڈیل دیا اور خالی شیشی مجھے پکڑا دی۔ سرکار اس عمل کا خواجہ صاحب پر گہرا اثر ہوا اور انہوں نے ایک پیشن گوئی کی کہ ایک دن یہ بچہ ولیوں کی محبت اور عقیدت کی وجہ سے بہت اونچا مقام حاصل کرے گا۔ اس کے بعد ہم گھر آ گئے۔

اس واقعہ سے چند دن پہلے ایک واقعہ اور ہوا۔ ابّا جی نے بتایا کہ ہم دہلی میں علی گنج روضہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ کے نزدیک رہتے تھے۔ سرکار کی عمر اس وقت کوئی پانچ چھ سال تھی۔ میں نے ان کو اسکول میں داخل کیا ہوا تھا۔ اسکول اوقات کے بعد سرکار قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے محبوب الٰہی کے دربار میں جو مدرسہ نظامیہ کے نام سے مشہور تھا، جاتے تھے۔ پڑوس کے چند بچے بھی وہاں تعلیم حاصل کرنے جاتے تھے۔ ایک دن قومی اسمبلی میں میری ڈیوٹی لگ گئی کیونکہ ان دونوں اکثر اجلاس رات کو بھی ہوا کرتے تھے۔ رات تقریباً دس بج چکے تھے۔ سرکار کی والدہ پریشان تھیں کہ لڑکا اب تک گھر نہیں آیا۔ محلے کے سب لڑکے گھر پہنچ چکے تھے لہٰذا پریشانی اور بڑھ گئی۔ رات کو کبھی اندر کبھی باہر بچے کا راستہ دیکھتیں۔ اسی پریشانی میں رات کے تقریباً گیارہ بج گئے۔ تھوڑی دیر میں دیکھتی ہیں کہ حضرت خواجہ حسن نظامی بچے کی انگلی پکڑے ہوئے آ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ لو یہ اپنا بچہ سنبھالو۔ جب میں صبح سویرے ڈیوٹی سے واپس آیا تو نماز فجر پڑھنے کے لیے حسب معمول دربار کی طرف چلا گیا۔ نماز کے بعد خواجہ حسن نظامی ملے اور فرمانے لگے کہ رات کے واقعہ کا تمہیں علم ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ رات گیارہ بجے کے قریب محبوب الٰہی میرے پاس تشریف لائے اور مجھے جھنجوڑ کر جگایا اور فرمایا کہ میرے دربار کے سرہانے ایک بچہ سو رہا ہے۔ اسکی والدہ بہت پریشان ہے اور بے چینی سے بچے کا انتظار کر رہی ہے۔ اس بچے کو فوراً اس

کی ماں کے پاس چھوڑ آؤ۔ میں فوراً اُٹھا اور سیدھا محبوب الٰہی کے دربار پر چلا گیا۔ دیکھا کہ واقعی ایک بچہ مزار شریف کے سرہانے سو رہا ہے۔ میں نے بچے کو جگایا اور کہا تم عجیب بچے ہو کہ سب کی نیندیں اور آرام کو خراب کر دیا ہے۔ میرے اتنا کہنے پر بچہ ہنسنے لگا اور کہا کہ آپ سے پہلے بھی ایک بزرگ مجھے جگانے آئے تھے اور جگا کر چلے گئے تھے۔ وہ کہاں گئے؟ بچے کی ضد تھی کہ میں ان بزرگ کے ساتھ مل کر جاؤں گا۔ عجیب بات تھی اس سے پہلے کہ میں بچے کو سخت سست کہتا، میں دیکھتا ہوں کہ محبوب الٰہی اپنی قبر مبارک سے باہر آئے اور بچے کو جانے کا اشارہ کیا۔ بچہ فوراً چل پڑا اور اسکے بعد میں بچے کو گھر اسکی والدہ کے پاس چھوڑ آیا جو بہت پریشان تھیں۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد خواجہ حسن نظامی فرمانے لگے کہ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ اس بچہ کے وجہ سے دو مرتبہ مجھے محبوب الٰہی کا دیدار ہوا۔ یہ واقعہ خواجہ صاحب نے اپنے اخبار منادی میں بھی چھپایا تھا۔ اس کی ایک کاپی میرے پاس تھی لیکن کافی عرصہ گزرنے کی وجہ سے اب میرے پاس موجود نہیں ہے۔ کہیں گم ہو چکی ہے۔

تیسرا واقعہ بیان کرتے ہوئے ابّا جی نے فرمایا ہندوستان پاکستان کے بٹوارے کے بعد ہم اپنے گاؤں گوجر خان ڈھوک گوہر شاہ آ گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد میں نے سرکار کو اسکول میں داخل کرا دیا۔ سرکار کے ماسٹر امیر حسین صاحب جو ہمارے پڑوس میں رہتے ہیں، انہوں نے مجھے ایک دن بتایا۔ چونکہ بچے لیٹ جاتے تھے۔ کبھی آپس میں لڑتے جھگڑتے یا سبق یاد کر کے نہیں آتے تو میں ان کی پٹائی کرتا لیکن جب سرکار کی طرف کوئی ڈنڈا وغیرہ اُٹھاتا تو کوئی غائبانہ طاقت میرا ہاتھ روک لیتی۔ یہ بات میں اپنے سینئر ساتھیوں کے علم میں لایا تو وہ سن کر کہنے لگے کہ یہ بچہ ہمیں کوئی ولی معلوم ہوتا ہے۔ اگست 1947ء تھا اور ہم علی گنج دہلی کی سرکاری رہائش گاہ سے محلّہ پہاڑ گنج منتقل ہو چکے تھے۔

14 اگست دنیا کی تاریخ میں قیام پاکستان حوالے سے لکھا جا چکا تھا کہ برّصغیر پاک ہند کی تقسیم کے ساتھ ساتھ تبادلہ آبادی بھی عمل میں آ رہا تھا کہ یکا یک ہندوستان میں ہندو مسلم فساد پھوٹ پڑے۔ بھارت کے دوسرے شہروں کی طرح دہلی بھی ان خونی فسادات کی لپیٹ میں آ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پوری دہلی مُن آگ اور خون کی ہولی کھیلی جانے لگی۔ ہر طرف مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے پہاڑ گنج ہی بلوائیوں کا نشانہ بنا۔ ہمارے گھر پر بھی شدید فائرنگ ہوئی۔ لیکن اللہ نے ہمیں بچا لیا۔ یہ حالات دیکھ سرکار سرکار کی والدہ نے کہا کہ چند قدم کے فاصلے پر میری ایک ہندو سہیلی کا گھر ہے وہاں چلتے ہیں۔ وہاں کوئی حملہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ ہم اس ہندو عورت کے گھر پہنچے۔ سرکار میری گود میں تھے۔ جیسے ہی ہم اس عورت کے گھر پہنچے تو اس عورت کے دو نوجوان بیٹے گھر میں گھس آئے۔ ان کے ہاتھوں میں گرنیڈ تھے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی ابھی قتل و غارت میں حصہ لے کر آ رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں گرنیڈ تھے اور ہمیں دیکھتے ہی وہ بھی بپھر گئے۔ ان کا انداز بڑا خونخوار تھا۔ وہ مجھے قتل کرنے کے لیے لپکے۔ (سرکار میری گود میں تھے) لیکن ان لڑکوں کی والدہ فوراً درمیان میں آ گئے اور ہماری طرف اشارہ کر

کے اپنے بیٹوں کو ڈانٹنے لگی اور کہا کہ یہ میری سہیلی ہے۔ یہ اسکے خاوند ہیں۔ان کی گود میں کتنا معصوم اور خوبصورت بچہ ہے۔کیا تم ان سب کو ختم کر دو گے تو تمہیں کیا ملے گا۔ماں کی یہ بات سن کر بیٹے ٹھنڈے پڑ گئے اور ہم سب کی جان بچ گئی۔ہم نے اس ہندو عورت کا شکریہ ادا کیا اور ہم وہاں سے چلے آئے۔نزدیک ہی ہمارے ماموں کا دومنزلہ مکان تھا۔ہم چھپتے چھپاتے ان کے گھر پہنچ گئے۔وہاں بھی وقفے وقفے سے گولیاں چل رہی تھی۔تین چار دن ہو چکے تھے۔شاہصاحب (سرکار) نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ ممانی کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے مجھے یہ کہا کہ راشن بھی ختم ہو چکا ہے۔پیسے نیچے پڑے ہیں۔ بچے کے لیے کہیں سے دودھ مل جائے تو لے آؤ۔میں نیچے اُترا تو دیکھا کہ بہت سے گھر ایسے ہی کھلے پڑے ہیں، روٹیاں چولہوں پر پڑی ہیں۔لوگ افرا تفری کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہیں۔ابھی چند لمحے گزرے تھے کہ اچانک کسی نے مجھ پر بھی فائر کر دیا۔ایک گولی زنّاتی ہوئی میری کنپٹی سے ہوتی ہوئی گذری اور قریب ہی کھڑے ہوئے گھوڑے کو لگی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔میں فوراً ہی گھر واپس آیا ۔گھر والوں کو باہر کے حالات سے آگاہ کیا۔پورا محلّہ خالی ہو چکا تھا۔لوگ دوسری جگہوں پر پناہ کے لیے بھاگ رہے تھے۔ہم بھی وہاں محفوظ نہ تھے۔ چنانچہ سب نے فیصلہ کیا کہ نزدیک ہی قدم شریف ہے وہاں پناہ لیتے ہیں۔چنانچہ موقعہ پا کر ہم قدم شریف پہنچ گئے۔وہاں بہت سے لوگ پناہ لیے ہوئے تھے۔وہاں کچھ رضا کار تعینات تھے۔ جو لوگوں کی بہت مدد کر رہے تھے۔انہوں نے ہمیں کھانے کے لیے تھوڑے سے چاول دیئے۔جو ہم نے لے لیے لیکن شاہ صاحب (سرکار) نے وہ چاول لے کر پھینک دیے۔حالانکہ شاہ صاحب (سرکار) نے چار دن سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ایک طرف تو ہماری جانوں پر بنی ہوئی تھی او ردوسری طرف بچہ کچھ کھا پی نہیں رہا تھا۔بڑی پریشانی تھی۔ہماری نیندیں غائب تھیں۔کسی لمحہ بھی آرام نہیں تھا۔قدم شریف پر بہت سے مسلمانوں اور رضا کاروں کو دیکھ کر کچھ اطمینان ہوا۔ چنانچہ دوسری رات ہمیں تھکاوٹ پریشانی اور مسلسل پانچ دن جاگنے کی وجہ سے نیند آ گئی لیکن شاہ صاحب (سرکار) پھر بھی نہ سوئے۔ہم نے بہت چاہا کہ سو جائیں لیکن یہ جاگتے رہے۔ابھی ہمیں سوئے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ زبردست گولیاں چلنا شروع ہو گئیں۔نیند اتنی گہری تھی کہ فائرنگ سے بھی ہماری آنکھ نہ کھلی۔شاہ صاحب (سرکار) چونکہ جاگ رہے تھے لہذا انہوں نے ہمیں جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگایا۔معلوم ہوا کہ شہر کے کسی علاقے میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔رات بھی مسلسل گولیاں چلتی رہیں اور وہاں موجود تمام لوگوں رات خوف و ہراس میں جاگ کر گذاری۔دوسرے دن میں نے نواب آف رام پور سے رابطہ کیا۔جن سے میرے اچھے مراسم تھے۔ان کی کوٹھی نزدیک ہی تھی۔انہوں نے فوراً اپنی کوٹھی پر آنے کو کہا اور یہ بھی کہا کہ بچوں کو بھی جلد از جلد کوٹھی پر لے آؤ۔میں کانگریس کا لیڈر رہوں یہاں کوئی حملہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ میں ان تمام کو لے کر نواب صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔کچھ اور جاننے والے بھی وہاں پناہ لیے ہوئے تھے۔کوٹھی بہت بڑی تھی۔نواب صاحب نے تمام مردوں کو اوپر کی منز پر بچوں اور عورتوں کو نیچے کی منزل پر ٹھہرایا اور خود

بندوق اٹھائے پوری کوٹھی کے گرد گھومتے رہے۔ان کی دونو جوان لڑکیاں اور دو جوان بیٹے تھے۔ان سب کے ہاتھوں میں تو اب صاحب نے بندوقیں تھما دیں اور ہدایت کی کہ وہ کوٹھی کے چاروں کونوں پر کھڑے ہو جائیں۔بلوائیوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھیں۔

اس رات 9 بجے ریڈیو پر گاندھی جی کی تقریر ہونا تھی۔ہم سب وہ تقریر سنی۔گاندھی جی ہندوؤں اور سکھوں سے اپیل کی کہ مسلمانوں کا پہلے ہی بہت نقصان ہو چکا ہے لہذا قتل و غارت فوراً بند کی جائے اور مسلمانوں کو فوراً اپنے اپنے گھر جانے دیا جائے۔ایسا نہ ہوا تو مدتوں آزادی کے کیے جدوجہد کی گئی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔گاندھی کی تقریر سن کر ہمیں کچھ تسلی ہوئی۔پھر ہم سب سو گئے۔لیکن رات کے بجے کے قریب فائرنگ دوبارہ شروع ہوگئی۔نواب صاحب نے تمام مردوں کو نیچے بھیج دیا۔فائرنگ مسلسل جاری رہی۔کوٹھی میں موجود تمام مرد وخواتین خوف زدہ تھے۔اُوپر نواب صاحب کے چاروں بچے بڑی دلیری کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہے تھے۔کافی دیر بعد نواب صاحب نیچے اترے اور یہ خبر دی کہ ان کے چاروں بچے شہید کر دیئے گئے ہیں۔پہلے میں نے آپ لوگوں کو پناہ دی تھی اب میں خود پناہ کے قابل ہو گیا ہوں۔جہاں بھی چلنا ہے ساتھ چلتے ہیں۔میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔کوٹھی کو چھوڑتے وقت نواب صاحب نے آخری بار اپنے پیاروں کی لاشوں کو دیکھا۔کوٹھی پر ایک مرتبہ نظر ڈالی اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ ہمارے ساتھ ہو لیے۔بڑا کرب ناک منظر تھا۔سب کی آنکھیں اشکبار تھیں۔آج وہ شخص جس نے ہمیں پناہ دی تھی،خود ہمارے ساتھ پناہ کی تلاش میں ہے۔قدرت کے بھی عجیب رنگ ہیں۔جسے چاہے غریب کر دے اور جسے چاہے غریب نواز بنا دے۔

کوٹھی سے نکلنے کے بعد ہم سامنے فتح پوری روڈ پر کھڑے ہو گئے۔یہ روڈ چاندنی چوک کے قریب تھا۔وہاں کھڑے ہوئے ہم نے قیامت کا منظر دیکھا۔بہت سے لوگ افراتفری کے عالم میں بے خود بھاگے جا رہے تھے۔کسی کا بازو کٹا ہوا تھا،کسی کے کہیں تلوار کا گھاؤ تھا اور کوئی خون میں نہایا ہوا۔سب پناہ کی تلاش میں تھے۔ان میں سے بہت سے اپنے عزیزوں تڑپتا چھوڑ آئے تھے۔کسی کا بھائی بچھڑ گیا تھا کسی کی بہن۔کوئی غم زدہ ماں تھی جس کی آنکھوں کے سامنے اس کے بچوں کو قتل کیا گیا تھا۔نواب صاحب بھی یہ منظر ہمارے ساتھ کھڑے دیکھ رہے تھے۔سب پر خوف ہراس طاری تھا۔اسی دوران ایک کیپٹن وہاں آنکلا۔ہمیں دیکھ کر قریب آیا اور کہنے لگا کہ میں یہاں نزدیک ہی رہتا ہوں آپ لوگ میرے ساتھ چلیں محفوظ رہیں گے۔ہم تقریباً بارہ افراد تھے۔حالات کے پیشِ نظر ہم اس کے ساتھ چل دیے۔اس نے ہمیں اپنے گھر میں پناہ دی۔اس کے گھر میں ہم نے کچھ پانی وغیرہ پیا اور حالات حاضرہ پر بات چیت کرتے رہے۔

مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ہم اوپر والی منزل پر تھے اور نیچے اچانک ایک شور سا ہوا۔ تمام افراد گھبرا گئے، نیچے جھانک کر

دیکھا تو کچھ گورے کھڑے تھے۔ گوروں نے زور زور سے آواز دی کہ اگر کوئی پاکستان جانے والا ہے تو آجائے، ہمارے پاس ان کا بندوبست ہے۔ پہلے تو ہم لوگ جھجکے لیکن آپس میں مشورہ کرنے کے بعد نیچے آ گئے۔ گوروں سے بات چیت ہوئی تو ان کے پاس ایک ٹرک تھا۔ چنانچہ ہم خواتین اور بچوں کو بھی لے آئے اور ٹرک میں سوار کرا دیا۔ گوروں نے ہمیں اپنے انتظام کے بارے میں بتایا اور کہا کہ ہم آپ لوگوں کو پرانے قلعے پر چھوڑ دیں گے۔ پاکستان جانے والے لوگوں کا بندوبست وہیں سے ہوگا۔ گورے ہمیں پرانا قلعہ چھوڑ کر چلے گئے۔ پرانا قلعہ دربار محبوبِ الٰہی کے قریب ہی تھا۔ اس علاقہ میں ہم نے بہت اچھی زندگی گذاری تھی۔ لہٰذا یہ پورا علاقہ اپنا معلوم ہوتا تھا لیکن یہ حالات کی ستم ظریفی تھی کہ ہم اپنے ہی علاقے میں غیر تھے اور جان بچانے کے لیے پناہ لیے ہوئے تھے۔ فی الحال یہاں بھی کسی کو کھانے کے لیے کچھ نہ ملا۔ شاہ صاحب (سرکار) نے بھی چھ سات دنوں سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اگر کچھ ملتا بھی تھا تو یہ کھاتے نہیں تھے۔ بہر حال قلعہ پہنچ کر کچھ اطمینان ہوا تھا۔ بھوکے پیاسے ہونے کے باوجود ہمیں نیند آ گئی۔ صبح آنکھ کھلی تو پورا قلعہ بھر چکا تھا۔ گورے تمام رات مسلمانوں کو فسادات والے علاقوں سے نکال نکال کر قلعہ لاتے رہے۔ کوئی رو رہا تھا تو کوئی چلا رہا تھا۔ کچھ زخموں کی وجہ سے دھاڑ رہے تھے۔ کچھ اپنے عزیزوں سے بچھڑنے کا ماتم کر رہے تھے۔ لوگ بڑی مصیبت میں تھے۔ ہم نے وہاں بڑے بڑے کرنل جرنیل بھی دیکھے۔ قلعہ میں لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کے لیے کھانے پینے کا بندوبست کرنا کوئی معمولی کام بھی نہیں۔ کئی کئی دن سے لوگ بھوکے پیاسے تھے۔ بچے بھوک پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ بہت سے لوگ بھوک پیاس اور زخموں کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو رہے تھے۔ اگلے روز معلوم ہوا کہ کراچی سے لیاقت علی خان ہوائی جہاز کے ذریعے کچھ کھانے پینے کا امدادی سامان قلعہ بھیج رہے ہیں جو کہ ابھی پہنچنے والا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ایک ہیلی کوپٹر اُڑتا ہوا آیا اور اس نے قلعہ پر بسکٹ کے پیکٹ اور ڈبل روٹیاں خاصی تعداد میں گرائیں۔ لوگوں نے وہ لوٹ لیں اور اسی سے گذارا کیا۔ میں بھی شاہ صاحب (سرکار) کو گود میں لیے ایک طرف کھڑا تھا کہ اچانک ایک فرسٹ کلاس ڈبل روٹی میرے اوپر آ کر گری میں نے وہ جلدی سے اٹھائی اور سوچا کہ چلو ایک دو وقت کا گذارا تو ہو ہی جائے گا۔ جس وقت بھی ہیلی کوپٹر آتا میں شاہ صاحب (سرکار) کو گود میں لیکر کھڑا ہو جاتا اور کچھ نہ کچھ ضرور ملتا۔ لیکن شاہ صاحب (سرکار) میرے ساتھ نہ ہوتے تو کچھ نہ ملتا۔ ستم بالائے ستم کہ ابھی ہم قلعہ ہی میں تھے کہ زبردست بارش شروع ہو گئی اور دہلی میں سیلاب جو لوگ مال و اسباب بچا کر قلعہ میں لائے تھے وہ بھی سب پانی میں بہہ گیا۔ بہت سے بچے اس پانی میں بہہ گئے اور بہت سے زخمیوں نے دم توڑ دیا۔ قلعہ میں ہر وقت آہ پکار تھی۔ کفن دفن بھی محال تھا۔ چنانچہ بہت سی لاشیں رضا کار دریائے جمنا میں بہا دیتے تھے۔

ایک دن میں نے سوچا کہ دیکھیں شاید قلعہ سے باہر کچھ کھانے پینے کو مل جائے۔ چنانچہ میں نے شاہ صاحب (سرکار)

کو ساتھ لیا اور قلعہ سے باہر آ گیا۔ شاہ صاحب (سرکار) نے ایک طرف اشارہ کیا اور وہاں مجھے ایک صندوق ملا۔ صندوق کھولا تو اس میں سے ایک گاندھی کیپ اور دس آنے ملے وہ پیسے میں نے لے لیے۔ سوچا چلو کچھ پیسے آ گئے ہیں۔ گاندھی کیپ پہن کر چاندنی چوک چلتے ہیں۔ وہاں سے کچھ لے آتے ہیں۔ چنانچہ وہ گاندھی کیپ پہن کر میں چاندنی چوک پہنچا۔ وہاں سے میں نے کھانے کے لیے علاوہ ڈبل روٹی اور کباب بھی خریدے۔ جب قلعہ پہنچا تو بہت سے لوگ مجھ پر جھپٹ پڑے کہ یہ ہمیں دیدو، یہ ہمیں دیدو۔ کوئی اس سامان کے مجھے بیس روپے دیتا اور کوئی پندرہ روپے۔ حالانکہ وہ میں نے دس آنے میں خریدا تھا۔ آخر کار لوگوں کی بہت زیادہ خوشامد پر میں نے وہ سامان تھوڑا تھوڑ سب کو دیا۔ اس کے عوض جس نے مجھے جتنے پیسے دیے وہ میں نے جیب میں ڈال لیے۔ اس طرح میرے پاس چالیس پچاس روپے آ گئے۔ میں نے سوچا کہ چلو کچھ انکم ہوگئی۔ دوسرے دن میں نے دو تھیلے لیے اور دوبارہ چاندنی چوک کے لیے نکلا لیکن شاہ صاحب (سرکار) نے میری شلوار پکڑی، پاؤں سے چمٹ گیا اور رونے لگے کہ مت جاؤ۔ میں نے انہیں سمجھایا لیکن نہیں سمجھے اور پھر چمٹ گئے۔ میں نے ان کو دھکا دیا اور آگے کی طرف چل پڑا۔ یہ پھر بھاگتے بھاگتے میرے پیچھے پیچھے آئے اور پاؤں سے چمٹ گئے اور کہا کہ مت جاؤ۔ مجھے غصہ بہت آیا میں نے ان کی پٹائی کر دی اور زبردستی ان کو ان کی والدہ کے پاس چھوڑ کر چاندنی چوک کی طرف چل دیا۔ جب دیا گنج کے پاس پہنچا تو مجھے ایک ہندو عورت نے بلایا میں سمجھا کہ شاید اسے بھی کسی مدد کی ضرورت ہو۔ کہیں یہ مسلمان تو نہیں؟ میں اس کے قریب چلا گیا جیسے ہی میں اس عورت کے قریب پہنچا تو تین سکھ نوجوان ہاتھوں میں تلوار لیے ہوئے میرے سامنے آ گئے۔ اس ہندو عورت نے سکھوں سے کہا کہ دیکھو! یہ مسلمان ہے اسے جان سے مار دو۔ یہ سن کر دو سکھوں نے مجھے فوراً بازوؤں سے پکڑ لیا۔ تیسرا مجھے قتل کرنے کے لیے ننگی تلوار اٹھائے میرے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ وہ ہندو عورت بہت زور سے چلائی کہ اسے یہاں نہیں بلکہ دریا جمنا کے گھاٹ پر مارو تا کہ لاش دریا میں بہہ جائے۔ چنانچہ وہ مجھے قتل کرنے کے لیے جمنا گھاٹ پر لے گئے۔ وہاں مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے قتل گاہ بنائی تھی جسے گھاٹ کہتے تھے۔ وہاں مسلمانوں کو پکڑ کر لایا جاتا اور ذبح کیا جاتا۔ یہ روز کا معمول تھا۔ میں نے وہاں قیامت کا منظر دیکھا۔ لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ جوان عورتوں کی چھاتیاں کٹی ہوئی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ بچے بڑے بہت سے شدید زخمی لاشوں کے درمیان پڑے تکلیف سے بری طرح چلّا رہے تھے۔ اب مجھے بھی وہاں گھاٹ پر قتل کرنے کے لیے کھڑا کر دیا تھا۔ ایک قاتل سکھ ہاتھ میں ننگی تلوار لیے میرا سر تن سے جدا کرنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ شاید کسی کے حکم کا انتظار تھا۔ میں دل ہی دل میں اللہ کو کبھی شاہ صاحب (سرکار) کو یاد کر رہا تھا اور اپنی غلطی پر پشیمان ہو رہا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ایسا بھی ہو جائے گا۔ کاش بچے کی بات مان لیتا اور رک جاتا تو یہ حشر نہ ہوتا جواب چند لمحوں میں ہونے والا تھا۔ بس اب میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ شاہ صاحب (سرکار) کا چہرہ بار بار سامنے آتا۔ مجھے رہ رہ کر یہی

خیال آ رہا تھا کہ یا اللہ میرے بچوں کا کیا حال ہوگا۔ تو ہی محافظ ہے۔شاہ صاحب (سرکار) کا چہرہ اور اسی قسم کے خیالات طوفان کی طرح میرے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے کہ اچانک میری آنکھوں کے سامنے ایک تیز روشنی آئی اور میری آنکھوں کو چکا چوند کر گئی۔اُس قاتل سکھ کو بھی ایک گرج دار غیبی آواز آئی کہ اسے چھوڑ دو۔سکھ گھبرایا اور اس نے فوراً تلوار پھینک دی اور گھبرا کر کہا کہ تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔تم کیسے انسان ہو؟ تم کون ہو اور کیا ہو؟ اتنا سننا تھا جناب! میں فوراً وہاں سے بھاگا کہ پھر کہیں اور نہ کوئی پکڑ لے۔جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہوا پرانا قلعہ دہلی پہنچا۔بہت گھبرایا ہوا تھا۔گھبراہٹ میں تھیلے بھی نہ جانے کہاں پھینک دیئے تھے۔مجھے دیکھ کر گھر والے بھی پریشان ہوگئے۔تھوڑی دیر بعد جب میری گھبراہٹ ختم ہوئی تو میں نے ساری داستان اپنے ماموں، ممانی اور شاہ صاحب (سرکار) کی والدہ کو سنائی۔ مجھے اتنی گھبراہٹ اور پریشانی تھی کہ میں تین چار دن تک قلعہ سے نہیں نکلا۔ مجھے جب گھاٹ کا خیال آتا تو میں کانپ جاتا۔تین چار دن میری حالت بڑی خراب رہی، نہ کچھ کھا سکا اور نہ پی سکا۔

اِدھر قلعہ میں یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ پاکستان سے سکھوں کی ٹرینیں کٹ کٹ کر ہندوستان آ رہی ہیں۔ان لاشوں کو دیکھ کر سکھوں پر جنون طاری تھا کہ وہ مسلمانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر رہے تھے۔قلعہ سے باہر کوئی نہ جائے۔نڈھال پڑے پڑے میرا دھیان اکثر اس چمک اور غیبی آواز پر بھی جاتا۔اسی دوران ایک موقع پر اس غیبی مدد کے دھیان سے میرے اندر ایک عجیب سی ہمت اور کشمکش پیدا ہوئی اور رات کو مجھے کچھ نیند آئی۔ان دنوں شاہ صاحب (سرکار) کی کیفیت میں بھی کچھ عجیب سی تبدیلی رونما ہو رہی تھی۔انہوں نے کھانا پینا تو پہلے ہی چھوڑا ہوا تھا اور اب یہ رات کو سوتے بھی نہیں تھے۔بس ہر وقت آسمان کی طرف دیکھتے رہتے تھے۔ایک رات اچانک مجھے نیند سے اُٹھایا اور کہا ابّا ابّا اُٹھو! سنو یہ آوازیں آ رہی ہیں۔میں نے غور کیا تو واقعی آوازیں آ رہی تھیں کہ کوئی کہہ رہا تھ کہ یہاں آ جاؤ، سب ولی اللہ یہاں دعا کے لیے جمع ہیں۔آواز سن کر میں فوراً اٹھا اور شاہ صاحب کو ساتھ لیکر آواز کی طرف چل دیا۔شاہ صاحب (سرکار) بھی میرے ہمراہ بغیر کسی خوف و ہراس کے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔رات کافی ہو چکی تھی لیکن سارے راستے میرے جانے پہچانے تھے۔چنانچہ آواز کی سمت چلتے چلتے ہم محبوب الٰہی کے دربار پر پہنچ گئے۔وہاں ہم نے دیکھا کہ واقعی وہاں بہت سے بزرگ جمع ہیں اور اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں کر رہے ہیں۔خواجہ حسن نظامیؒ جو اس وقت بقید حیات تھے اور میرے اچھے دوست بھی تھے، وہ بھی ان بزرگوں میں بیٹھے ہوئے دعا میں مشغول تھے۔چنانچہ ہم بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔اتنے میں ایک بزرگ کھڑے ہوئے اور دوسروں کا تعارف کرانے لگے۔دیکھو کہ یہ خواجہ غریب نوازؒ ہیں، یہ خواجہ قطب الدین ہیں، یہ باقی باللہ ہیں، یہ محبوب الٰہی ہیں اور بھی کئی بڑے بڑے بزرگوں کے نام لیے جو اس وقت مجھے یاد نہیں۔ان منادی والے بزرگ نے مزید کہا کہ دیکھو یہ سب بزرگ اللہ کے حضور دعا

کر رہے ہیں کہ یا اللہ مسلمانوں پر رحم کر۔ یہ قتل و غارت بند کر۔لیکن غیبی آواز ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ مسلمانوں کو میں نے بہت ڈھیل دی ہے۔ بہت آزمایا ہے، انہیں سزا بھی دی لیکن یہ نہیں مانتے اور گناہوں میں مبتلا رہے۔اللہ یہی کہہ رہا ہے جہاں میں رحمٰن و رحیم ہوں تو جبار قہار بھی ہوں۔ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ وہ منادی والے بزرگ جو تعارف کرا رہے تھے ہماری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے اللہ نہیں مانتا کیا کریں؟ یہ بزرگ دعا رہے ہیں آپ بھی دعا کریں۔خوار ہیں بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں کچھ بھی لیکن پھر بھی تیرے محبوب ﷺ کی امت میں سے ہیں۔اس کے بعد انہوں نے ہمیں رخصت کیا اور ہم واپس اپنی قلعہ والی رہائش پر لوٹ آئے۔

ان تمام بزرگوں کو ہم نے کھلی ہوئی آنکھ سے دیکھا۔ یہ اللہ کی ہم پر بڑی مہربانی تھی۔اس واقعہ کے بعد اب میں بالکل نارمل ہو چکا تھا۔ ساری وحشت خوف و ہراس ختم ہو چکا تھا۔ دوسری صبح قلعہ میں اعلان ہو کہ جو لوگ پاکستان جانا چاہتے ہیں وہ اپنے اپنے پاس بنوالیں۔ فی الحال دو ٹرینیں پاکستان جائیں گی۔ یہ سن کر سب لوگ پاس بنوانے دوڑ پڑے میں بھی فوراً اٹھا اور ماموں کو ساتھ لیکر ریلوے پاس بنوانے چل دیا۔ وہاں پہلے بھی لمبی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ خیر صبح آٹھ بجے ہم بھی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ صبح سے کھڑے کھڑے شام چھ بجے ہمارا نمبر آیا ہمیں لاہور کی آٹھ ٹکٹیں ملیں۔ چار عدد ماموں کی اور چار عدد مجھے۔ہم کل چار بندے تھے یعنی شاہ صاحب (سرکار) ،انکی والدہ اور ہمشیرہ۔ رات آٹھ بجے بھوکے پیاسے ہم واپس قلعہ پہنچے۔خوش تھے کہ اب پاکستان اپنے گھر پہنچ جائیں گے۔لیکن جیسے ہی ہم نے صبح پاکستان آنے کی تیاری کی تو شاہ صاحب (سرکار) نے پھر میرے پاؤں سے چمٹ گئے اور رونے لگے کہ مت چلو۔ ہم نے انہیں سمجھایا لیکن یہ نہیں مانے۔ کبھی سجدے میں گر جاتے تو کبھی آسمان کی طرف دیکھتے۔کسی بھی حالت میں یہ چلنے کے تیار نہ تھے۔ عجیب پریشانی ہوگئی تھی۔ سارے گھر والے پریشان تھے کہ یا اللہ اس لڑکے کو کیا ہو گیا کہ نہ کھاتا ہے نہ سوتا اور نہ کہیں چلنے دیتا ہے۔ میں نے شاہ صاحب (سرکار) کی والدہ سے مشورہ کیا۔انکی والدہ نے بھی یہی مشورہ دیا کہ جب یہ کہہ رہا ہے کہ مت جاؤ تو نہیں چلتے۔ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔ مجھے تو پہلے ہی تجربہ ہو چکا تھا۔انکی والدہ کا مشورہ مجھے فوراً سمجھ میں آ گیا اور پاکستان جانے کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا۔ادھر ماموں اور انکے بچے پاکستان جانے لے لیے بہت تیار تھے۔ ماموں نے کہا کہ ہم دوسروں کے ساتھ پاکستان چلے جاتے ہیں آپ لوگ بعد میں پاکستان آ جانا۔ہم نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان کے پاس چار ٹکٹ ہیں اور یہ پاکستان نہیں جا رہے تو لوگ مجھ پر جھپٹ پڑے کہ یہ ٹکٹیں ہمیں دے دو۔ خیر جناب! بڑے دکھی دل سے وہ چار ٹکٹیں ماموں کے جاننے والوں کو دے دیں۔ بہت سے لوگ پاکستان آنے کے لیے جلدی جلدی اسٹیشن کی طرف بھاگ رہے تھے اور ہم نے ٹکٹ ہونیکے باوجود اپنا سفر ملتوی کر دیا۔

رات اسی پریشانی میں گزر گئی کہ سب پاکستان جا رہے ہیں ہم بھی چلے جاتے۔ماموں اکیلے بچوں کے ساتھ گئے ہیں۔وہ کل لاہور اور اسکے بعد گاؤں پہنچ جائیں گے اور ہم نے نجانے کب تک یہاں مصیبت میں پڑے رہیں گے لیکن صبح شاہ صاحب کی پراسرار ضد کا راز فاش ہوگیا۔قلعہ میں اعلان ہوا کہ کل جو دو ٹرینیں پاکستان جانے کے لیے روانہ ہوئی تھیں، راستہ میں جالندھر کے قیام پر ان ٹرینوں میں زبردست قتل عام ہوا۔دونوں ٹرینیں مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں اور ہزاروں آدمی ٹرینوں کی چھت پر تھے اور ہزاروں آدمی ٹرینوں کے ڈبوں سے لٹکے ہوئے تھے۔وہ سب قتل کر دیے گئے۔سکھوں نے ڈبوں میں گھس کر عورتوں اور بچوں کو ہلاک کر ڈالا۔حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچوں کو تلواروں اور نیزوں کی نوکوں پر لٹکایا گیا۔جیسے ہی یہ خبر قلعہ میں پہنچی تو لوگ دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ایک قیامت برپا تھی لوگ ایک دوسرے سے گلے مل کر رو رہے تھے۔

سوال۔جب آ کہ جالندھر کے قریب مذکورہ ٹرینوں کے مسافروں کے شہید ہونے کی اطلاع ملی تو پاکستان آنے کے لیے آپ نے اپنا ارادہ کب تک ملتوی کر دیا اور اور پھر کس طرح پاکستان پہنچے؟

جواب۔جناب پہلے تو ہم شاہ صاحب (سرکار) کی ضد سے ناخوش تھے لیکن ہمیں معلوم ہو کہ یہ دونوں ٹرینیں کٹ چکی ہیں تو ہمیں شاہ صاحب کی ضد کا اندازہ ہوا۔ادھر دہلی کمپ میں جو قلعہ میں موجود تھا، ایک قیامت برپا تھی ہر طرف آہ و بکاہ تھی۔لوگ اس طرح اپنے عزیزوں سے قتل و غارت پر اشکبار تھے۔اُدھر ہم بھی اپنے ماموں اور انکے بچوں کے قتل پر رنجیدہ تھے۔بہر حال جو کچھ ہم نے محبوب الٰہی کی دربار پر دیکھا تھا، اس نے ہماری سوچ و فکر میں اعتدال پیدا کر دیا تھا۔بس ہم ہر حال میں اللہ سے رجوع کرتے تھے اور اطمینان تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اسی کی جانب سے ہے۔کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔بہر حال چار دن بعد کیمپ میں پھر آواز لگی اور اعلان ہوا کہ جو حضرات پاکستان جانا چاہتے ہیں وہ اپنے اپنے ریلوے پاس بنوالیں۔چنانچہ میں بھی ٹکٹیں حاصل کرنے لے لیے صبح ہی سے قطار میں لگ گیا۔شام چھ سات بجے کے قریب ٹکٹیں ملیں۔دل ہی میں کھٹکا تھا کہ اب دیکھیں شاہ صاحب (سرکار) کیا کہتے ہیں۔چلنے کے لیے راضی ہوتے ہیں یا نہیں۔واپس آ کے شاہ صاحب (سرکار) سے بات کی۔یہ خوشی خوشی مجھ سے چمٹ گئے کہ اب کوئی رکاوٹ نہیں۔پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں۔جب پاکستان آنے کی تیاری کر رہے تھے تو شاہ صاحب ہمارے ساتھ ہر جگہ آگے بڑھ بڑھ کر کام کراتے اور ہر جگہ آگے آگے چلتے۔آخر کار ہم پاکستان آنے کے لیے دہلی ریلوے اسٹیشن سے ٹرین میں سوار ہو گئے۔دو ٹرینیں تھیں۔راستہ میں کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لیے بلوچ رجمنٹ ساتھ تھی۔ٹرینوں کے اوپر ہیلی کاپٹر اُڑ رہے تھے۔جالندھر کے قریب سکھوں نے شرارت کرنی چاہی تھی لیکن فوج سے اِکّا دُکّا جھڑپ کے بعد سکھ فرار ہو گئے لیکن جیسے ہی ہماری ٹرینیں امرتسر میں داخل ہوئیں تو سکھوں نے بھرپور حملہ کیا لیکن بلوچ

رجمنٹ نے پوری قوت سے دفاع کرتے ہوئے انہیں بھاگ جانے پر مجبور کیا۔اوپر ہیلی کاپٹر بھی آپریشن کے لیے تیار تھے۔بہر حال اللہ کے فضل و کرم سے ہم بحفاظت براستہ واہگہ لاہور پہنچ گئے ۔چار پانچ دن والٹن مہاجر کیمپ لاہور میں مقیم رہے ۔ہمارے کچھ عزیز ہمیں لینے لاہور پہنچ گئے تھے۔چنانچہ ہم سب کیمپ سے رخصت ہونے کے بعد اپنے آبائی گاؤں ڈھوک گوہر شاہ گوجر خان پہنچ گئے ۔کچھ عرصہ گاؤں میں رہے اسکے بعد میں ملازمت کے سلسلے میں راولپنڈی آ گیا اور ملازمت کی تلاش شروع کر دی۔بالآخر مجھے (G.T.S) میں ملازمت مل گئی۔

کشمیر کی جنگ لگی ہوئی تھی ۔تجربہ کار ہونے کی وجہ سے مجھے ٹریفک انچارج بنا کر کشمیر بھیج دیا گیا۔مجاہدین کو کشمیر لے جانا اور واپس لانا اس کے علاوہ اسلحہ کی ترسیل بھی میری ذمہ داری تھی۔میں نے اپنی ذمہ داری نہایت دیانت داری سے سرانجام دی۔چنانچہ ترقی ہوگئی اور اس طرح میں نے کشمیر کے محاذ پر بھی ملک وقوم کی خدمت کی ۔1953ء تک میں بہت مصروف رہا۔بچے سب گاؤں میں تھے ۔شاہ صاحب (سرکار) کی تعلیم بھی گاؤں میں ہوتی رہی۔شاہ صاحب (سرکار) نے آٹھویں جماعت تک گاؤں میں تعلیم حاصل کی۔بیچ میں کچھ بریک (وقفہ) بھی آیا تھا جواب مجھے یاد نہیں۔شاید ایک دو سال گجرات میں بھی رہے۔کیونکہ میرا تبادلہ گجرات ہوگیا تھا۔اس کے بعد ہم راولپنڈی میں شفٹ ہوگئے ۔چنانچہ شاہ صاحب (سرکار) نے باقی تعلیم (نویں دسویں) راولپنڈی ہی میں حاصل کی۔

حالات کچھ ایسے تھے کہ شاہ صاحب (سرکار) ریگولر تعلیم حاصل نہ کر سکے اور میٹرک پرائیویٹ کیا۔میٹرک کے بعد ان کا رجحان تعلیم کی طرف کچھ زیادہ ہوگیا لیکن یکسوئی نہیں تھی ۔کبھی کہتے کہ (F.A) کروں گا کبھی کہتے کہ (B.A) کروں گا۔کبھی کہتے میں منشی فاضل کروں گا تو کبھی منشی عالم ۔انکی ذہنی کیفیت دیکھ کر میں نے انہیں سمجھایا کہ تم ورکشاپ میں داخلہ لے لو۔یہ ٹیکنیکل کام ہے۔کام بھی سیکھ جاؤ گے اور انجینئر ٹریننگ کا ڈپلومہ بھی مل جائے گا۔انہوں نے میری مان لی اور ٹیکنیکل ٹریننگ میں داخلہ لے لیا۔ان دنوں ہماری رہائش راجہ بازار پنڈی میں تھی۔ورکشاپ کے اوپر ہمیں تین چار کمروں کا بہترین مکان ملا ہوا تھا۔انہیں وظیفہ بھی ملتا تھا جنرل ایوب کی حکومت تھی۔یہ اس وقت کی بات ہے جب قومی اسمبلی کے اسپیکر مولوی تمیز الدین تھے۔

ایک دن حکومت کے کارندوں کو ایک ویگن کو سخت ضرورت تھی ۔غالباً انہیں ایبٹ آباد جانا تھا۔مولوی تمیز الدین کے ساتھ مولوی صاحب بھی قریب ہی ریسٹ ہاؤس ٹھہرے ہوئے تھے۔مجھے معلوم ہوا تو میں بھی ان سے ملاقات کے لیے پہنچ گیا۔وہ مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہوگئے اور بڑے پُرتپاک انداز سے گلے ملے۔خیریت پوچھی۔حالات پر گفتگو کرتے رہے۔کچھ پچھلی باتیں دہرائیں اور اصرار کیا کہ میں (G.T.S) چھوڑ کر واپس قومی اسمبلی پاکستان میں نوکری کولوں۔لیکن میں نے ایک شرط

رکھی کہ اگر آپ میری پچھلی ملازمت کا پیریڈ بھی لگوادیں تو میں تیار ہوں۔ ہماری گفتگو بڑی بے تکلفانہ تھی۔ لہذا وہاں بڑے بڑے افسر حیران تھے کہ کیا ماجرا ہے کہ قومی اسمبلی کا اسپیکر نئے آدمی سے اتنا بے تکلف۔ لیکن وہاں موجود لوگوں کو علم نہ تھا کہ مولوی صاحب سے میرے ہندوستان کے زمانے سے گہری دوستی چلی آرہی ہے۔ جب میں لجسلیٹو اسمبلی ہندوستان میں ملازم تھا تو قائداعظم کی وجہ سے مولوی صاحب بھی میری بڑی عزت کرتے تھے اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مولوی تمیزالدین صاحب خود بھی اولیاء اللہ کو ماننے والے تھے۔ انہوں نے دہلی میں محبوبِ الٰہی کے درگاہ پر مجھ پر خواجہ حسن نظامی کی شفقت اور شاہ صاحب (سرکار) سے خواجہ صاحب کا پیار بھی دیکھا تھا۔

بہرحال جب پنڈی میں لوگوں کو میرے اور مولوی تمیزالدین کے تعلقات کا علم ہوا تو بڑے بڑے لوگ میرے آگے پیچھے ہونے لگے۔ بعد میں کچھ عرصہ مولوی تمیزالدین صاحب جنرل ایوب خان صاحب کی ملک سے غیر موجودگی کے سبب پاکستان کے قائم مقام صدر بھی رہے۔ لیکن اللہ کا بڑا کرم ہے کہ میں نے کبھی بھی اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے کسی سے بھی کوئی ناجائز نہیں لیا اور نہ ہی کبھی ناجائز پیسہ کمایا۔ حالانکہ میں چاہتا تو آج ہمارے پاس بے پناہ جائداد اور دولت ہوتی لیکن اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمام برائیوں سے دور رکھا۔ خیر جناب! یہ ایک الگ موضوع ہے۔ ٹیکنیکل کورس مکمل کرنے کے بعد کچھ عرصہ تو شاہ صاحب (سرکار) اِدھر اُدھر کام کرتے رہے۔ پھر اس سے بھی ان کی طبیعت اُچاٹ ہوگئی اور ملک سے باہر چلے گئے۔ ایران اور مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) بھی گئے تھے۔ کچھ عرصہ انہوں نے وہاں بھی کام کیا تھا۔ لیکن وہاں بھی زیادہ عرصہ نہ رہ سکے اور واپس پاکستان آگئے۔ ہم پنڈی میں ہی تھے۔ دوبارہ ان کی ملازمت کا مسئلہ ہوا کہ اب کیا کریں۔ خیر ان کے اور مشورے سے انہیں ایک کینٹین کا ٹھیکہ لے کر دیا گیا۔ اس کام میں بھی انہوں نے بہت محنت کی اور دل جمعی سے کام کیا اور خوب پیسہ کمایا۔ ان کے چھوٹے بھائی بھی ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد پھر ان کا دھیان پلٹا اور یہاں سے بھی ان کی طبیعت اُچاٹ ہوگئی۔ اب یہ زیادہ تو وقت بابا گوہر علی شاہ کے مزار پر رہنے لگے۔ جو کماتے مزار کی تعمیر پر خرچ کر دیتے۔ کبھی لنگر لٹاتے ،کبھی تعمیر کراتے، چار چار دن گھر سے غائب رہتے۔ ہم پریشان ہوتے۔ آخر کار انہوں نے ہم سے کہا کہ پریشان نہ ہوا کریں۔ اگر مجھ ڈھونڈنا ہو تو بکرا منڈی بابا گوہر علی شاہ کے مزار پر دیکھ لیا کرو۔ آہستہ آہستہ اب کنٹین بھی ٹھپ ہونے لگی تھی اور ان کا رجحان گاؤں سے قبرستان کی طرف ہوگیا تھا اور زیادہ تر وہاں ہی رہنے لگے۔ کبھی مزار پر قرآن شریف پڑھتے ،کبھی نفلیں پڑھتے اور شام کو درود کی محفل کرتے۔

سوال۔ سرکار کی کیفیت میں تبدیلی ہوئی اور کثرت سے مزارات پر جانا شروع کر دیا تو آپ کو کچھ روحانی واردات بھی بتائے تھے؟

جواب۔ جی ہاں بتاتے ہیں۔ بلکہ کئی مرتبہ تو بزرگ دکھا بھی دیتے تھے۔ اکثر واقعات ہوتے رہتے تھے۔ کئی واقعات تو روحانی سفر (کتاب) میں بھی لکھے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں شروع میں زیادہ تر راستہ انہیں بابا گوہر شاہ کے مزار سے ہی ملا ہے۔ ایک واردات جو میرے ساتھ ہوئی آپ کو بتاتا ہوں۔ شاہ صاحب (سرکار) نے مجھے ایک دربار کے متعلق کچھ بتایا جو ہمارے گاؤں سے کافی دور ہے یہ سانگراں کا دربار ہے۔ مجھے بھی کچھ اتنا اشتیاق ہوا کہ میں پیدل ہی اس دربار کی طرف چل دیا۔ چلتے چلتے تھک گیا۔ تقریباً پندرہ میل پیدل چلنے کے بعد دربار نظر آیا۔ وہاں پہنچ کر وضو وغیرہ کیا۔ جیسے ہی دربار پر پہنچا تو صاحب مزار نے اپنا دیدار کرایا۔ طبیعت بڑی پرسکون ہوگئی۔ کافی دیر مزار پر بیٹھا پڑھتا رہا۔ اس کے بعد گھر واپس آنے کی تیاری کی تھکاوٹ اتنی تھی کہ اب مزید پیدل چلنا بڑا دشوار تھا۔ لیکن مجبوری تھی بڑی مشکل سے کوئی چار پانچ میل پیدل چلا۔ جنگل بیابان تھا۔ ایک قدم مزید چلنے کی سکت نہیں تھی۔ تھک کر وہیں ریت پر لیٹ گیا۔ وہاں اس طرح لیٹے ہوئے دیکھ کر جنگلی جانور بھی آنا شروع ہوگئے۔ کبھی خرگوش تیزی سے گزر جاتے، کبھی لومڑی تو کبھی گیدڑ۔ طرح طرح کے اور بھی جنگلی جانور اور کیڑے مکوڑے دِکھنے شروع ہوگئے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور دور دور تک نظر دوڑائی۔ نہ کوئی قریب گاؤں دکھائی دیا نہ کوئی مسجد جہاں رات بسر کرتا۔ بڑا پریشان ہوا۔ اِدھر بھیڑیئے وغیرہ بھی مجھے اپنا شکار سمجھ کر چکر لگانے لگے۔ بس مجھے موت نظر آنے لگی۔ دہلی کا واقعہ بھی نظروں میں گھومنے لگا اور شاہ صاحب (سرکار) کو یاد کر کے سوچنے لگا کہ سائیں آج مارے گئے۔ یہ جنگلی جانور آج مجھے چیر پھاڑ ڈالیں گے۔ اسی پریشانی میں ریت پر بیٹھا ہوا تھا کہ دیکھتا ہوں دور سے ایک آندھی کا بگولہ میری طرف آرہا ہے۔ مجھ سے کافی دور وہ بگولہ آکر گھومتا ہوا رُک گیا اور اس جانب سے شاہ صاحب (سرکار) ننگے سر اور ننگے پاؤں میری طرف بھاگتے چلے آرہے تھے۔ شاہ صاحب (سرکار) کو دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔ ہنستے ہوئے یہ میرے قریب پہنچ گئے۔ ہال چال پوچھا اور واپس گھر چلنے کے لیے کہا۔ میں نے یہی کہا کہ مجھ میں مزید چلنے کی ہمت نہیں۔ شاہ صاحب (سرکار) نے فرمایا: ابّا جی! تھوڑی دور تو چلیں شاید اللہ کوئی بندوبست کرادے۔ خیر جناب! شاہ صاحب (سرکار) کے کہنے سے میں وہاں سے اٹھا۔ ابھی تو ڑی ہی دور چلے تھے کہ زوردار آندھی آئی۔ یہ میرے پیچھے پیچھے تھے۔ نہ جانے انہوں نے کونسی پھونک میرے کاندھوں پر ماری کہ میں آندھی کے ساتھ ساتھ اُڑے چلا جارہا تھا۔ آپ خدا پر یقین کرنا کہ میں اپنے آپ کو بالکل جوانوں کی طرح محسوس کررہا تھا۔ کوئی پندرہ منٹ گزرے ہونگے کہ دیکھا کہ لاری اڈا ہمارے سامنے تھا۔ میری حیرانی کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ تین گھنٹے کا راستہ تھا جو صرف پندرہ منٹ میں کیسے طے ہوگیا۔ بس یہی سوچ رہا تھا کہ شاید شاہ صاحب (سرکار) کو کوئی بڑا مرتبہ مل گیا ہے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جو اس وقت ذہن میں نہیں۔ اگر مجھے یاد آئے تو میں نوٹ کرلوں گا تاکہ ریکارڈ پہ آجائیں۔

سوال۔ جب آپ نے سرکار کی ایسی باتیں دیکھیں اور سرکار کو دنیا چھوڑے چھوڑے پھرتے بھی دیکھا تو آپ کیا

سوچتے تھے؟

جواب۔ بات یہ ہے کہ شاہ صاحب (سرکار) گاؤں میں روزانہ درود کی محفل کا کرتے تھے۔ تمام گھر والوں کو بھی شریک کرلیا کرتے تھے۔ اکثر ہم نے دیکھا، بچوں نے بھی دیکھا بلکہ بچوں کو زیادہ دکھتا تھا۔ شاہ صاحب (سرکار) کی بیوی بھی درود میں بیٹھتی تھیں۔ انہیں بھی نظر آتا۔ سب لوگ کچھ نہ کچھ ضرور دیکھتے تھے کہ کبھی کوئی کہتا دیکھو اب امام بری سرکارؒ تشریف لا رہے ہیں، اب داتا صاحب تشریف لا رہے ہیں، کبھی پیر مہر علی شاہ صاحب اور کبھی حضور غوث پاکؓ تشریف لا رہے۔ ہم بھی یہ دیکھتے تھے اور بھی بزرگ ہوتے تھے۔ ہم حیران ہوتے تھے لیکن یہ حقیقت ہوتی تھی اس لیے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔ بس ہر بات پر نقصان برداشت کیے جا رہے تھے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ شاہ صاحب (سرکار) نے شعر و شاعری کی طرف اور اخبار والوں کی طرف رجوع کیا۔ ہر وقت کاپی پنسل ہاتھ میں کچھ نہ کچھ لکھ رہے ہیں۔ یہاں تک انہوں نے اخبار میں زوردار آرٹیکل افسانۂ پاکستان کے نام سے لکھا جو بڑا مقبول ہوا۔ افسانۂ پاکستان پر صدر ایوب کی طرف سے انہیں شکریہ کا خط موصول ہوا۔ پھر ان کی طبیعت اچاٹ ہوگئی اور انہوں نے اخبار والوں سے بھی رابطہ منقطع کرلیا۔ اکثر اخبار والے میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا لڑکا بڑا ہوشیار ہے۔ اچھا لکھتا ہے آپ ان سے کہیں کہ یہ اخبار میں مستقل ملازمت کرلیں۔ لیکن میں کیا کرسکتا تھا؟ میں نے انہیں یہی کہہ کر ٹال دیا کہ بھئی یہ من موجی آدمی ہے۔ آج یہاں ہے کل نہ جانے کہاں ہو۔ جب تک دل لگا رہے گا تو ٹھیک ہے اگر طبیعت اُچاٹ ہوگئی تو پھر ان کو کوئی نہیں روک سکے گا۔ لہذا آپ کے یہاں مستقل ملازمت کرنا فضول ہوگا۔

سوال۔ جب آپ کو معلوم ہوگیا تھا کہ سرکار درویشی میں آگے نکل چکے ہیں تو آپ نے انکا بھرپور ساتھ کیوں نہیں دیا؟

جواب۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا ہے کہ ہم انکی بہت سی باتیں دیکھیں۔ لہٰذا جو یہ کہتے تھے ہم مانتے تھے۔ جو یہ کرتے تھے ہم ساتھ دیتے تھے۔ ہمارا نقصان بھی ہوتا تھا اس کے باوجود ہم انکی بات مان لیتے تھے۔ کاروبار کے لیے کہیں نہ کہیں سے کچھ نہ کچھ انہیں کر کے دیتے تھے۔ ہاں البتہ انکی والدہ کبھی کبھی رکاوٹ ڈالتی تھیں۔ چنانچہ ماں بیٹے کے معاملے میں ہم خاموش ہوجاتے تھے۔ بہرحال میری طرف سے ان کے ہر معاملے میں ہاں ہی ہوتی تھی۔ میں جو کرسکتا تھا، میں نے کیا۔ کیونکہ مجھے پہلے بھی انکی بات نہ مان کر پچھتانا پڑا تھا۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ ایک مرتبہ سردی سے بچنے کے لیے انہوں نے اپنی کارہی کو آگ لگادی اور رات بھر اسکی گرمی کے آگے بیٹھے رہے۔ اکیلے جنگل میں اور جب صبح ہوئی تو کار جل کر راکھ ہوچکی تھی۔ کیا یہ نقصان کم تھا؟ لیکن پھر بھی ہم ان کا ساتھ دیتے تھے۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ سمجھ دار بھی ہیں اور ہوشیار بھی ہیں۔ بس کوئی بات ہے، کوئی امتحان ہے جو انہیں گھومائے گھومائے پھر رہا ہے۔ آپ خود سوچیں ان کا تمام نقصان کے باوجود آخر میں ان کے جنگلوں میں جانے سے پہلے میں پنڈی میں انہیں انڈسٹری لگا کر دی۔ کچھ عرصے تو انہوں نے خوب محنت سے کام کیا پھر جب دیکھو سارے پیسے جو یہ کماتے

امام بریؒ پر لنگر پہ لگا دیتے۔ حالانکہ گھر پر بہت تنگی ہوتی تھی۔

ایک دن انہوں نے مجھے انڈسٹری پر بلایا اور کہنے لگے ابّا جی قرضہ بہت ہو گیا ہے۔ اُدھار والے تنگ کر رہے ہیں۔ ایک لوہے والا بہت تنگ کر رہا ہے۔ چھ ہزار روپے دینے ہیں۔ کہیں سے بندوبست کریں۔ میں نے کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی۔ ایک ہفتہ گزر گیا لیکن کہیں سے بندوبست نہیں ہو سکا۔ ایک شام ان کے پاس پہنچا اور اپنی مجبوری بتائی۔ یہ کہنے لگے اچھا ابّا جی اس کا بندوبست میں کروں گا۔ میں نے پوچھا کہ تم کہاں سے کرو گے تو کہنے لگے کہ کل صبح ایک صاحب آئیں گے ان سے لوں گا۔ یہ دیکھنے کے لیے میں رات کو ان کے پاس ہی ٹھہر گیا۔ واقعی صبح ایک بزرگ نما صاحب آئے اور مطلوبہ رقم ان کے حوالے کی اور چلے گئے۔ مجھے اس واقعہ کے بعد یقین ہو گیا کہ ان میں بہت کچھ ہے۔

سوال۔ جب آپ سرکار کی کیفیات اور من موجی قسم کی باتوں سے آگاہ تھے تو سرکار کی شادی کیوں کی؟

جواب۔ دراصل ملازمت کے سلسلے میں تبادلہ حیدر آباد سندھ ہو گیا تھا۔ یہ غالباً 1965ء کا عرصہ تھا میں یہاں (G.T.S) ٹریفک مجسٹریٹ انٹی کرپشن تھا۔ حیدر آباد ڈویژن جہاں چاہتا حالات کے تحت چھاپہ مارتا تھا۔ گھر والے سب پنجاب گاؤں میں تھے۔ شاہ صاحب (سرکار) تو تھے ہی من موجی۔ یہ بھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سانگھڑ سندھ آ گئے۔ یہاں ہمارے کچھ عزیز اب بھی رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ شاہ صاحب (سرکار) کی چھوٹی ہمشیرہ بھی سانگھڑ میں ہی رہتی تھیں۔ چنانچہ شاہ صاحب (سرکار) نے یہاں آ کر ایک الیکٹرک دوکان کر لی اور پنجاب کی طرح یہاں بھی انہوں نے جام داتار کی دربار سے رابطہ کر لیا۔ جام داتار کے لیے آپ نے روحانی سفر میں پڑھا ہو گا۔ خیر جناب ان حالت میں ہم نے انکی شادی کے متعلق سوچا بھی نہیں تھا لیکن ایک بار انکی والدہ پنجاب گاؤں سے سانگھڑ آئیں۔ شام کا وقت تھا گھریلو امور پر بات چیت ہو رہی تھی۔ ان کی والدہ نے کہا کہ ان (سرکار) کی خالہ مجھ سے بار بار کہہ رہی ہے کہ ان کی (خالہ کی) لڑکی بڑی ہو چکی ہے۔ بچپن کی مانگ ہے اب شادی کی بات پکی کر لیں۔ ان کی والدہ نے کہا کہ میں خاص کر اسی وجہ سے آئی ہوں۔ میں نے انکی والدہ سے کہا کہ یہ من موجی آدمی ہے ان کا کوئی پتہ نہی شادی کے بعد اگر یہ اپنی بیوی کو بھی اس طرح چھوڑ کر بھاگتے رہے تو ایک نئی مصیبت ہمارے گلے میں پڑ جائے گی۔ شاہ صاحب (سرکار) نزدیک بیٹھے ہماری باتیں سن رہے تھے۔ یہ سن کر شاہ صاب (سرکار) کہنے لگے کہ ابّا جی ساری عمر ایسا تو نہیں رہوں گا۔ یہ بات سن کر ان کی والدہ اور میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کی شادی کر دینی چاہیے۔ چنانچہ گاؤں آ کر ان کی والدہ نے شادی کی بات پکی کر دی۔ دن تاریخ مقرر ہوئے اور ٹھیک ٹھاک طریقے سے ان کی شادی ہو گئی۔ یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے شادی سے قبل یا کچھ عرصہ بعد سانگھڑ کی دکان بھی ختم کر دی تھی اور گوجر خان آ کر مین روڈ پر کچھ عرصہ الیکٹرک یا اسپیئر پارٹس کی دکان لگائی تھی۔ آخر میں راولپنڈی میں انڈسٹری لگائی تھی جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

شادی کے بعد انہوں نے انڈسٹری میں کافی محنت کی۔خوب پیسہ کمایا۔اچھا خاصہ کاروبار کیا۔تین چار بچے بھی ہوئے لیکن اچانک ان کا دھیان پلٹا جو ہمارے تصور میں بھی نہیں تھا کہ اب یہ جنگلوں میں نکل جائیں گے۔بیوی خوبصورت تھی، بچے تھے،سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ ابّا جی اب انڈسٹری میں پہلے کی طرح فائدہ نہیں ہو رہا۔قرض دار ہو جاتا ہوں۔میرا خیال ہے کہ سعودی عرب جا کر کچھ کام کروں اور قرضے سے جان چھڑاؤں۔بات اچھی تھی میں نے بھی اجازت دیدی۔انہوں نے پاسپورٹ بنوایا۔ہمیں تسلی کرائی۔ہم نے سوچا چلو ٹھیک ہے۔بیوی بچے ہیں اب کیا کرے گا،کام ہی کرے گا۔کام ہی کرنا ہے لیکن اسکے بعد کیا ہوا یہ تو آپ نے روحانی سفر میں پڑھ لیا ہوگا۔جہاں تک گھر والوں کا حال ہوا یہ بھی ایک الگ موضوع ہے کافی عرصہ بعد جب ہمیں ان کا پتہ ملا اور ہمارے عزیزان سے سہون شریف جا کر ملے تو انہوں نے ہمیں ان کی کئی باتیں بتائی۔

محترم قارئین! اس انٹرویو سے دوران قبلہ ابّا جی حضور نے حج کیا تھا،لہٰذا وہ گفتگو بھی شامل اشاعت ہے۔

سوال۔ابّا جی عرض یہ ہے کہ جس وقت آپ نے حج بیت اللہ کا قصد کیا عالیہ کراچی میں جب آپ نے فجر کی نماز سے قبل احرام باندھا اس وقت کی کچھ روحانی کیفیات کے متعلق بتایئے؟

جواب۔جب ہم آستانہ عالیہ پہنچے تو کیفیات تو پہلے سے شروع ہو چکی تھیں اور جب فجر کی نماز سے قبل احرام باندھنے کی تیاری کی تو ان میں اور بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔انہیں کیفیات میں آپ لوگوں کے ساتھ نماز فجر باجماعت ادا کی۔ابھی میں نماز کے بعد سلام پھیرا ہی تھا کہ برابر سے ایک آواز آئی، وہ کون تھے؟ کیا تھے؟ میں سمجھا کہ کوئی ذاکر ہوگا۔مجھ سے کہنے لگے دیکھو کہ آپ نے یہ کفن پہنا ہوا ہے اسے احرام نہ سمجھنا، یہ کفن ہے۔آپ یہاں سے حج کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔بڑے سوچ سمجھ کر چلنا اور اپنا زیادہ وقت ذکر میں لگانا۔یہ بات سن کر مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔میں اپنے برابر نماز پڑھنے والے کو بھی اچھی طرح نہ دیکھ سکا۔پہلے تو یہ گمان تھا کہ کوئی ذاکر ہوگا لیکن میرے خیال میں ایسا نہیں تھا۔کیونکہ جب میں دیکھنا چاہا تو وہ ہستی ذاکرین کے درمیان سے غائب تھی۔

بہر حال اس وقت بڑی رحمت تھی۔بار بار وہی الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے کہ یہ احرام نہیں کفن ہے۔جسمانی طور پر تو میں آپ لوگوں کے ساتھ کراچی ایئر پورٹ جانے کی تیاری کر رہا تھا لیکن روحانی طور پر میرا دل و دماغ کہیں اور تھا۔ائیر پورٹ پر آپ لوگوں سے رخصت ہونے کے بعد جب ہوئی جہاز میں سوار ہوئے اور سفر شروع ہوا تو یکا یک میرے کانوں میں نماز فجر کے الفاظ پھر گونجنے لگے۔"یہ کفن ہے احرام نہیں ذرا دیکھ کر چلنا" یہ الفاظ میرے کانوں میں آتے رہے۔سوچ میں پڑ گیا کہ یا اللہ یہ کیا ماجرہ ہے؟ یہ الفاظ مجھے بار بار کیوں سنائے جا رہے ہیں؟ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اکثر جہاز اغوا بھی

ہوتے ہیں۔(نیچے) گر بھی جاتے ہیں۔کہیں کوئی حادثہ تو پیش آنے والا نہیں؟ یہ سوچ کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں اور بے خودی میں میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے "یا اللہ! اگر ہماری جان لینی ہے تو بہتر ہے حج کے بعد لے لینا"۔اس کے بعد ہم ذکر میں لگ گئے **لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک** ۔دوسرے مسافر بھی یہی پڑھ رہے تھے۔جہاز میں عجیب سماں ہو گیا تھا۔بہت دیر کے بعد ایک شخص نمایاں ہوا اور کہنے لگا سب پڑھو **لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک** وہ لمحات وہ کیفیات بھی عجیب تھیں۔میں سمجھ گیا کہ کوئی خطرہ تھا جو ٹل گیا۔تھوڑی دیر کے بعد کھانا آ گیا۔سب کھانے سے فارغ ہوئے۔پھر تھوڑا سا ذکر ہوا اور جہاز اپنی منزل کے قریب تھا کہ اچانک پھر ذکر میں تیزی آ گئی پتہ چلا کہ اب ہم اس سر زمین پر پہنچنے والے ہیں جہاں کی تمنا ہر مومن مسلمان کو ہوتی ہے۔میں نے بھی صبح فجر سے لیکر اس وقت تک کی کیفیات کے پیش نظر خصوصاً اپنے تمام ساتھیوں کو ہدایت کی کہ ذرا قدم سنبھل کر رکھنا۔یہاں بہت ادب کا مقام ہے۔یہ بہت پاک سرزمین ہے۔

جدّہ ائیر پورٹ پر اترے تو ایمیگریشن والوں نے ہماری سخت چیکنگ کی، سب لوگوں کی۔بہت پریشان ہوئے۔کبھی وہ لوگ سامان اِدھر کرتے تو کبھی اُدھر۔ہماری کچھ زیادہ ہی تلاشی لی۔میں اپنے تمام ساتھیوں کو کہہ دیا کہ پریشان نہ ہوں یہ امتحان ہے اور اس سے گزرنا ہوگا۔کوئی بھی چیز انشاء اللہ گم نہیں ہوگی۔بہر حال اللہ کے فضل سے وہاں سے فراغت پانے کے بعد ہم سب نے ائیر پورٹ پر ہی نماز عشاء پڑھی۔باہر آئے تو وہاں سعودی حکومت کے کارندوں نے ہمیں خوش آمدید کہا اور یہ کہتے ہوئے کہ آپ لوگ سعودی حکومت اور شاہ فہد کے مہمان ہیں۔ایک ایک بوتل ٹھنڈی کی ہوئی ہمارے ہاتھوں میں پکڑا دی۔اس کے بعد ہم ایک بس میں جو سامنے ہی کھڑی ہوئی تھی، سوار کرایا گیا۔اس طرح ہم رات تقریباً ساڑھے بارہ بجے مکہ المکرّمہ پہنچ گئے۔سب سے پہلے ہم اپنی رہائش گاہ گئے۔وہ بالکل حرم شریف کے قریب ہی تھی۔ہر وقت سامنے کعبتہ اللہ کی دیواریں تھیں۔میں بڑا شکر گزار ہو رہا تھا کہ یا اللہ ساری عمر کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، کعبہ کا تصور کرتے رہے لیکن آج تو نے زندگی کو اتنی مہلت عنایت کی کہ حرم شریف چوبیس گھنٹے ہماری نظروں کے سامنے ہے۔جب بھی نظر اُٹھاؤ، کعبہ سامنے ہے۔بس ہر وقت اسی خیال میں اللہ کو شکر ادا کرتا رہتا اور آنکھوں سے آنسو خود بخود رواں رہتے تھے۔

سوال۔جدّہ سے آپ رات آٹھ بجے اور تقریباً ساڑھے بارہ بجے مکتہ المکرّمہ پہنچے، اتنی دیر ہونے کی کیا وجہ تھی اور درمیان میں اگر کسی بزرگ سے ملاقات ہوئی تو وہ بھی فرمایئے؟

جواب۔بات یہ ہے کہ راستہ اتنا لمبا نہیں ہے لیکن ٹریفک اس قدر ہوتی ہے کہ بسیں بے بس ہو جاتی ہیں اور آہستہ آہستہ چلتی ہیں۔راستہ میں کئی جگہ اترنا پڑتا ہے۔حجاج کرام کا اژدہام، روحانی کیفیات اور لائٹنگ کا اتنا خوبصورت نظارہ ہوتا ہے کہ کچھ یاد نہیں رہتا۔کہ زندگی میں ہم کیا کر آئے ہیں۔بس اللہ ہی اللہ ہوتا ہے۔کچھ خیال نہیں رہتا کہ کون ملا یا کون نہیں ملا۔البتہ

اللہ کی رحمت کو دیکھ کر اپنی پچھلی کوتاہیوں پر ندامت ہوتی ہے کہ کاش گزرے ہوئے وقت کو ہم اللہ اللہ میں لگا لیتے تو کتنا اچھا تھا۔

سوال۔ جب آپ مکۃ المکرّمہ پہنچے اور حرم پاک پر آپکی پہلی نظر بڑی اس وقت کی کیا کیفیات تھیں؟

جواب۔ اس وقت کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ جیسے ہی حرم شریف میں داخل ہوئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ہر چیز اللہ اللہ کر رہی ہے۔ مجھے اس وقت نور ہی نور نظر آ رہا تھا۔ آپ یقین کریں کہ اتنا نور تھا کہ اس وقت مجھے آسمان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس کیفیت ہی بدل گئی جس کا بیان الفاظ میں مشکل ہے۔ میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ جذبات قابو میں نہیں تھے۔ اسی اثنا میں دیکھا کہ ہلکی ہلکی بارش شروع ہو چکی ہے۔ مجھ پر ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حیرانی تھی کہ جہاں ہم بیٹھے ہیں وہ برانڈہ ہے۔ اسکی چھت بھی ہے اور سب کچھ ہے لیکن یہ کیسی بارش ہے کہ اندر بھی آ رہی ہے اور فرش بھی گیلا نہیں ہو رہا ہے۔ میں جلدی سے اپنے بدن پر ہاتھ پھیرا تو دیکھا کہ میرے کپڑے بالکل سوکھے تھے۔ بس اس شبنم نما بارش نے جہاں مجھے حیران کیا وہاں اتنا سکون بھی عطا کیا کہ کروڑوں روپے دیکر بھی چاہوں تو ایسا سکون نہیں مل سکتا۔ خیر میں ابھی اسی شش و پنج میں تھا کہ ایک باریش شخصیت میرے سامنے آئے اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے تم بڑے خوش نصیب انسان ہو۔ پریشان مت ہو۔ یہ شبنم سی جو آپ اپنے اوپر گرتی ہوئی محسوس کر رہے ہیں یہ شبنم نہیں ہے یہ نور کی بارش ہے۔ یہ کسی کسی پر پڑتی ہے۔ قسمت والوں پر پڑتی ہے۔ اور یہ اس وقت صرف تمہارے اوپر پڑ رہی ہے۔ واقعی بعد میں، میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہاں کسی پر بھی نہیں پڑ رہی تھی۔ خیر ہم نے وہاں دو رکعت نماز نفل ادا کیے۔ خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ رات کے ایک بجے کا پہر تھا وہاں سے رخصت ہونے کے بعد ہم صفا مروا کی پہاڑیوں کی طرف رانہ ہوئے۔ راستہ میں چار پانچ مسجدیں ہیں، وہاں پر بھی بڑا زبردست نظام تھا۔ لائٹیں چمک رہی تھیں۔ ہم بھی ذکر میں لگے ہوئے تھے اور دیگر حجاج بھی بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے۔ عجیب کیفیت و نظارہ تھا۔ خیر سات چکر صفا مروا کے لگانے پڑتے ہیں، وہ ہم نے لگائے۔ تمام ارکان اسی رات میں پورے کرنے ہوتے ہیں وہ ہم نے کیے۔ سب تھک چکے تھے۔ لہذا بعد میں آنکھ لگ گئی۔ صبح جب اس علاقے سے باہر آئے تو حجام تیار کھڑے تھے کہ بال کٹوالو۔ سب نے بال کٹوائے۔ کسی نے زلفیں کٹوائیں اور آگے کی طرف چل دیئے۔

سوال۔ صفا مروا کی پہاڑیوں پر یا قریب کچھ مشاہدات ہوئے یا کسی سے ملاقات ہوئی؟

جواب۔ ہمارے اس سوال پر ابّا جی خاموش ہو گئے لیکن چند لمحے خاموشی کے بعد فرمایا کہ دیکھا تو بہت کچھ لیکن سوچ رہا ہوں کہ آپ لوگوں کو کیا کیا بتاؤں۔ ہر بات بتانے کی نہیں ہوتی۔ بہر حال شاہ صاحب (سرکار) کی تعلیم بھی باطنی ہے اور ہمارے مشاہدات بھی باطنی ہیں۔ آپ لوگوں کو کچھ نہ کچھ بتانا ہی پڑے گا۔ جیسا کہ آپ لوگوں سے پہلے عرض کیا ہے کہ مجھے

کراچی میں ہدایت کی گئی تھی یہ کفن ہے احرام نہیں ہے۔ زیادہ وقت ذکر میں لگانا تو اس ہدایت کی روشنی میں معلوم ہو کہ ذکر کی کیا اہمیت ہے۔ اس کے علاوہ ایک اہمیت اور بھی تھی اور وہ بھی شاہ صاحب (سرکار) کی اہمیت ورنہ ذکر تو اور بھی کرتے ہیں۔ یقیناً ذکر کا بڑا انعام ہے لیکن کسی کامل کی اجازت کے ساتھ ساتھ اس کی سفارش بھی بہت اہم۔ بس میرے ساتھ یہی عنایتیں تھیں جو اتنا کرم ہوا۔ ہمارے دوبارہ اسرار پر کہ ابّا جی! وہاں کسی سے ملاقات ہوئی یا کسی معتبر ہستی کو دیکھا؟ تو ابّا جی گویا ہوئے جی ہاں دیکھا۔ جب ہم وہاں صفا مروہ کی پہاڑیوں پر پہنچے تو نور کی بارش میں ہمیں حضور پاک ﷺ نظر آئے۔ حضور پاک ﷺ کے ساتھ حضرت بلال حبشیؓ بھی تھے اور آپ ﷺ کے پیچھے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور دیگر متبرک ہستیاں بھی تھیں جن کی ایک لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ ہم سب وہاں تھکے ہوئے کھڑے تھے لیکن کیفیت کی وجہ سے سب مستعد تھے اور صاف معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت بلال حبشیؓ بھی حضور پاک ﷺ کے ساتھ سعی کر کے آئے ہیں۔ میں انہیں کافی دیر تک دیکھتا رہا۔ حضرت بلالؓ کا رنگ سیاہ اور جسم مبارک پر بال گھنگریالے دیکھنے میں آئے۔ جسامت بھاری تھی اور آپ کے جسم پر حجاج کی طرح ایک بیلٹ بندھا ہوتھا۔ میں اسی عالم میں انہیں دیکھتا رہا۔ بہت خوشی ہوئی۔ اسی کے ساتھ تاریخ کے اوراق بھی میرے سامنے آ گئے کہ اسلام میں کیا گورا، کیا کالا، کیا عجمی، کیا عربی حضور پاک ﷺ کی نظر میں سب پیارے ہیں۔ کس طرح حضرت بلالؓ پر اسلام لانے کی وجہ سے سختیاں ہوئیں تھیں۔ حضور پاک ﷺ کو آپؓ کی اذان دینا کس قدر پسند تھا۔ حضور پاک ﷺ پر کس قدر اپنی جان نچھاور کرتے تھے۔ بس یہی بات سمجھ میں آئی کہ جو حضور پاک ﷺ کو ہو گیا..... ساری کائنات اس کی ہو گئی۔ جس نے حضور پاک ﷺ سے سچا عشق کیا وہ اَمر ہو گیا۔

سوال۔ آپ نے مکۃ المکرّمہ میں کتنا وقت گذارا اور کیا کیا دیکھا؟

جواب۔ ہم پندرہ دن مکہ شریف میں رہے۔ میدان عرفات بھی دیکھا۔ بہت گھومے میدان عرفات میں تو ہماری کیفیت یکسر بدل گئی۔ وہاں کئی اہم مشاہدات ہوئے۔ گرمی بہت تھی، پنکھے بھی گرم ہوا پھینکتے تھے لیکن ایک اہم چیز ہم نے دیکھی۔ وہ یہ کہ ہر وقت وہاں گرم ہوا اور لُو چلنے کے باوجود جیسے ہی اذان ہوتی اور حرم شریف میں چلنے والی گرم ہوا بھی یکدم ٹھنڈی ہو جایا کرتی اور نماز کے اختتام تک برقرار رہا کرتی تھی۔ اکثر ہمیں ہجوم کی وجہ سے جگہ نہیں ملتی تھی تو ہم ایک پتھر پر ہی نماز پڑھ لیتے تھے۔ دیکھنے میں آیا کہ جن پتھروں پر ہم نماز پڑھتے وہ اذان سے قبل بہت گرم ہوتے تھے۔ عام حالت میں ان پتھروں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا تو دور کی بات ہے ان پر چند لمحے کھڑے ہونا بھی مشکل تھا۔ لیکن جیسے ہی اذان ہوئی وہ ٹھنڈے ہو جاتے تھے اور پاؤں بھی ٹھنڈے ہو جاتے تھے۔ قدرت کا عجیب کرشمہ دیکھا۔ میں کہتا ہوں یہ کچے ایمان والے وہاں جا کر دیکھیں۔ یہ نئے نئے اِزموں کا پرچار کرنے والے اسلام کی حقانیت کے قریب آ کر دیکھیں تو انہیں معلوم ہو گا کہ اسلام کیا ہے دنیا کی بھلائی اسی میں

ہے۔

سوال۔آپ نے وہاں جنات وغیرہ بھی دیکھے؟

جواب۔ہم نے جنات وغیرہ تو نہیں دیکھے۔ ہمارا اس طرف خیال ہی نہیں جاتا تھا۔ ہاں البتہ ایک تجربہ ضرور ہوا وہ یہ کہ جہوں ہم ٹھہرے ہوئے تھے وہاں وحید بھائی کراچی والے اکثر بڑے پریشان ہوجایا کرتے تھے۔ باطنی طور پر ہم نے دیکھا کہ کیا بات ہے تو معلوم ہو کہ جس جگہ ہم ٹھہرے ہوئے تھے وہ بلڈنگ قبرستان پر تعمیر کی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے وحید بھائی کو اکثر پریشانی ہوتی۔ بعد میں اسکی تصدیق شاہ صاحب (سرکار) نے بھی کی لیکن ایک بات اور بھی دیکھی جو ذاکرین کے قابل غور ہے وہ یہ کہ جب بھی وحید کو تکلیف ہوتی وہ درود کی محفل میں بیٹھنے سے دور ہوجاتی۔ کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ درود پاک کی محفل پر حضور پاک ﷺ کی خاص نظر ہوتی ہے۔ ہم وہاں روزانہ درود پاک کی محفل اور ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک مشاہدہ ہوا کہ ایک دن وحید اور رئیس بھائی (فیصل آباد والے) یہ دونوں حضرات درود کی محفل سے غائب تھے۔ دیکھا کہ حضور پاک ﷺ اور خواجہ اویس قرنیؓ نے درود پاک کی محفل کو رونق بخشی۔ آپ نے دونوں کی خالی نشستوں پر نظر ڈالی۔ معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے اچھا محسوس نہیں کیا اور جلدی تشریف لے گئے۔ اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی جو ذاکرین روزانہ کی محافل سے غائب رہتے ہیں یا روزانہ آنے والے ایک دن بھی اپنی نشست چھوڑتے ہی وہ کتنی رحمتوں سے محروم ہوجاتے ہیں۔ ہر ذاکر کو چاہیے کہ وہ پابندی سے درود کی محفل میں شرکت کرے۔ اس لیے روحانیت میں بڑا فائدہ ہوتا ہے اور اسکی بڑی اہمیت ہے۔

سوال۔آپ وہاں جنت المعلّٰی بھی گئے تھے تو کسی صحابی، حضور پاک ﷺ کے خاندان کے کسی فرد سے باطن میں ملاقات ہوئی یا آپ نے کسی کو دیکھا؟

جواب۔جی ہاں ہم گئے تو تھے لیکن کسی سے ظاہر میں یا باطن میں ملاقات نہیں ہوئی۔ ہاں البتہ ایک خاندان کو دیکھا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ حضرت بلال حبشیؓ کی بیوی تھیں۔ وہاں ہمیں قبروں کو دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ وہاں ایسی اہم شخصیتیں مدفون ہیں۔ لیکن وہاں کے لوگوں کو اسکی قدر نہیں ہے۔ قبریں بالکل زمین سے لگی ہوئی ہیں۔ صرف نشانات ہی ہیں وہ بھی برائے نام۔

سوال۔آپ نے وہاں مشن کا کچھ کام کیا؟

جواب۔جی ہاں! تھوڑا بہت تو کیا تھا۔ تقریباً پچیس تیس آدمیوں کو ذکر دیا تھا۔ ان میں کچھ پاکستانی بھی تھے اور کچھ وہاں کے مقامی۔ اکثر نے ہم سے پوچھا کہ شاہ صاحب (سرکار) کب یہاں آئیں گے۔ وہ بڑے بے چین نظر آرہے تھے۔ ان کے قلوب جاری ہوچکے تھے۔ بالکل ان کے دلوں میں ایسی ہی تڑپ پیدا ہوچکی تھی جس طرح یہاں آپ لوگ نئے لوگوں کو دیکھتے

ہیں۔ نئے ذاکرین پابندی سے ذکر کی محفل میں شرکت کرتے تھے۔ کسی نے وہاں ہماری محفلوں پر اعتراض نہیں کیا۔ لاہور والے خالد نے ہماری بڑی مدد کی۔ یہی وہاں کے لوگوں کو ذکر دِلواتا تھا۔ اسکی ہمشیرہ وہاں رہتی ہے۔ لہذا، وہاں کے لوگوں سے تعلقات کی وجہ سے اس مختصر عرصہ میں تھوڑا بہت کام ہوسکا۔

سوال۔ روایت میں آیا ہے کہ فرشتے بھی کعبہ کے طواف کے لیے روزانہ آسمان سے اترتے ہیں۔ آپ کو کبھی اس قسم کا مشاہدہ ہوا؟

جواب۔ جی ہاں! خاص کر ہم نے جمعہ کو دیکھا۔ عوام کا بہت زیادہ ہجوم تھا۔ مجھے حرم شریف میں کہیں نزدیک جگہ نہیں ملی۔ خطبہ شروع ہونے والا تھا۔ لہٰذا میں ایک طرف الگ تھلگ دور جا کر بیٹھ گیا۔ اور ہدایت کے مطابق ذکر میں لگ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان سے قطار در قطار سفید لباس میں ملبوس فرشتے خانہ کعبہ پہ اُتر رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرشتوں کی فوجیں اُتر رہیں ہیں۔ وہ کعبہ پر بالکل اسی طرح اُتر رہے تھے جیسا کی ہیلی کاپٹر کے ذریعے چھاتہ بردار فوج اُترتی ہے۔ فرشتوں کے ہجوم در ہجوم جمعہ کی نماز کے لیے اُترتے جاتے تھے اور نمازیوں میں شامل ہوتے جاتے تھے۔ آپ یقین کریں کہ فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد وہاں دیکھی۔ دنیا کی آبادی مجھے ان کے سامنے کم معلوم ہونے لگی۔ سارا عالم اس وقت جگمگا رہا تھا۔ حاجی اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے۔ کسی کو کوئی ہوش نہ تھا۔ مجھے تو سارا عالم الـلـه هو الله هو کرتا نظر آرہا تھا۔ ہر چیز ذکر کرتی ہوئی نظر آرہی تھی۔ نور کی بارش، فرشتوں کی قطاریں، گناہ گاروں کی دعائیں ایک ایسا منظر تھا کہ بھلایا نہیں جاسکتا۔ وہ کیفیات اللہ آپ سب کو نصیب کرے۔ آمین۔

سوال۔ ابّا جی ان انمول کیفیات اور لمحات میں انسان سب کچھ بھول کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ کیا آپ نے اس موقع پر کوئی خاص دعا فرمائی؟

جواب۔ جی ہاں ! ہم نے بہت دعا کی۔ اللہ کے حضور ہم نے رو رو کر دعا کی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں جو بھی سعادت نصیب ہوئی ہے اس کا ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ظاہر میں اور باطن میں بڑی عزت ملی۔ اس کا ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ سب کچھ اللہ کی مہربانی صدقہ نبی ﷺ کا اور شاہ صاحب (سرکار) کی نسبت کے طفیل ہے۔ بس سجدہ شکر کے لیے خانہ کعبہ میں ہر لمحہ ہماری آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ ہم نے تمام ذاکرین کے لیے شاہ صاحب (سرکار) کے لیے اللہ کے حضور دل کی گہرایوں سے دعا کی۔ اے اللہ ! ہمارے اور ہمارے نفوس کے درمیان دوری ڈال دے۔ اے اللہ! ہمارے دلوں میں حضور سرور کونین ﷺ کی محبت ڈال دے۔ اے اللہ! جو چیز ہمارا تعلق تجھ سے ختم کرنے والی ہے اس کا تعلق ہم سے ختم کر دے۔ اے اللہ! عزت و ذلت دینے والا تو ہی ہے۔ اگر تو کسی کو عزت دے تو وہ ذلت نہیں حاصل کرسکتا۔ اگر تو کسی کو ذلیل

کرے تو وہ محفوظ نہیں رہ سکتا۔ کس زبان سے تیرا شکر ادا کروں۔ اے اللہ! انجمن کو جو بھی کامیابی ہوئی ہے وہ سب حضور پاک ﷺ کے وسیلے سے ہوئی اور آئندہ بھی جو کامیابی ہوگی وہ بھی حضور پاک ﷺ کے بدولت ہوگی۔ اے اللہ! اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے انجمن کو زبردست ترقی عطا فرما۔ اے اللہ! شاہ صاحب (سرکار) کو عمر دراز عطا فرما اور تمام ذاکرین و ذاکرات کو حج بیت اللہ اور روضہ رسول ﷺ کی زیارت نصیب فرما۔ ہم سب کے درجات بلند فرما۔ اے اللہ ! ہم کو اپنے ذکر میں مشغول کر کے سب سے بے نیاز کر دے۔ تو ہم کو نہ چھوڑ چاہیے سارا زمانہ چھوڑ دے۔ آمین۔ بے خودی میں اور نہ جانے کیا کچھ دعا کی جو اِس وقت یاد آیا آپکو بتا دیا۔

سوال۔ کہا جاتا ہے کہ خانہ کعبہ میں رجال الغیب والے رات کے کسی مخصوص وقت میں طواف کے لیے آتے ہیں؟

جواب۔ جی ہاں! مخصوص وقت میں یہ ولی اللہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ ایک رات ہم بے خیالی میں خانہ کعبہ کی طرف نکل گئے۔ یہی کوئی بارہ ایک بجے کا وقت تھا۔ دیکھا بہت سے بزرگ خانہ کعبہ کے گرد جمع ہیں اور آہستہ آہستہ چل رہے ہیں۔ ان میں ظاہری بزرگ بھی تھے جو اس وقت حیات ہیں اور وہ بھی تھے جو باطن میں ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ اچانک ایک لشکر بزرگوں کا برآمد ہوا۔ آگے آگے گھمگول شریف والے زندہ پیر تھے اور (جب ابّا جی حضور نے 1991ء میں حج کیا اُس وقت گھمگھول شریف والے زندہ تھے) ان کے علاوہ اور بھی بڑی بڑی ہستیاں طواف کر رہی تھیں۔ سب نے احرام باندھا ہوا تھا۔ رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا کہ اچانک میرا ایک واقف کار جو ہمارے گاؤں کا ہی رہنے والا ہے، میرے قریب آیا اور کہا کہ میں خانہ کعبہ میں ہی ملازم ہوں۔ آبِ زم زم پر میری ڈیوٹی ہے۔ اس نے بتایا کہ یہ وقت بڑے بڑے ولی اللہ لوگوں کا ہے۔ اس وقت تمام بزرگ خانہ کعبہ کی زیارت اور طواف کے لیے تشریف لاتے ہیں، چاہیے ان کا تعلق یورپ سے ہو انڈونیشیا سے، چاہے وہ بھارت کے ہوں یا پاکستان کے۔ سب اسی وقت تشریف لاتے ہیں۔ اس وقت نور کی بارش ہوتی ہے۔ واقعی ہم نے جب آنکھیں بند کیں تو ہر طرف نور کی بارش ہو رہی تھی۔ بڑا عجیب اور پر کیف منظر تھا ہر چیز نور سے چمک رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کسی نے لاکھوں کروڑوں ٹیوب لائیٹیں لگا دی ہیں۔ وہاں ہمیں گھمگھول والوں کے مرید ملے۔ انہوں نے بتایا کہ پیر صاحب روزانہ ڈیڑھ بجے کے قریب اپنی قیام گاہ سے زیارت کے لیے تشریف لے جاتے ہیں اور ڈیڑھ بجے ان بزرگوں کا طواف شروع ہو جاتا ہے، چاہے ان کا تعلق کسی ملک سے ہو۔

سوال۔ خانہ کعبہ کی زیارت اور دیگر ارکان سے فارغ ہونے کے بعد آپ مدینے شریف روانہ ہوئے تو حالات و کیفیات کیا تھیں؟

جواب۔ 27 مئی 1991ء کو حکم ہوا کہ آج رات بعد نماز عشاء مدینے شریف جائیں گے۔ یہ جان کر تمام ساتھیوں نے زور زور سے مدینے جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن میری کیفیت کچھ عجیب تھی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ بس

آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں اپنی ڈائری نکالی اور یہ اشعار لکھے ڈالے۔

آتش عشق سے ہے سینہ کباب
اک چمک اپنی دکھا دے بے حجاب
یا جمال اپنا مولا دکھا دے
یا نبی پاک سے مجھ کو ملا دے

یہاں سے ایک بات آپ کو بتا تا چلوں کہ 25 مئی کو وحید بھائی (رنگ والے) کی طبیعت اچانک بہت خراب ہوگئی۔ ان کی بیماری کی وجہ سے ہمیں بہت تکلیف ہوئی۔ کیونکہ وہ ہمارے گروپ لیڈر تھے۔ بہر حال انہیں ہسپتال لے گئے۔ دوائی وغیرہ کے بعد انہیں کچھ افاقہ ہوا۔ بعد میں آبِ زم زم کا پانی پلایا۔ اس پانی میں بہت شفا ہے بہت سی بیماریاں آہستہ آہستہ ختم ہو جاتیں ہیں۔ خیر جناب ! وحید بائی کی طبیعت تو ٹھیک ہوگئی لیکن میری طبیعت خراب ہوگئی۔ ابھی مجھے حجر اسود کو بھی بوسہ دینا تھا۔ جبکہ مجھ جیسے بوڑھے آدمی کے لیے ان دنوں یہ عمل جان جوکھوں کا کام ہے لیکن جب اللہ مہربان ہوتا ہے تو وسیلہ بھی بنا دیتا ہے۔ عجیب اتفاق ہوا کہ اسی دن بیگم خالدہ ضیاء وزیر اعظم بنگلہ دیش خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے تشریف لائیں۔ انہوں نے عمرہ ادا کیا اور وہاں سے رخصت ہوئیں۔ ہم بھی وہاں تھے۔ پروٹوکول کے اعتبار سے وہاں حفاظتی انتظامات تھے۔ چنانچہ ہجوم میں کمی رہی اور یہی موقع مل گیا۔ پھر بھی بڑی مشکل سے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ بہر حال ہماری یہ خواہش بڑی با آسانی پوری ہوگئی۔ 27 مئی کو ہم سب مدینہ شریف جانے کی تیاری کر رہے تھے اور میری طبیعت سخت خراب تھی میری آنکھوں میں اتنا شدید درد تھا کہ نظر بھی کمزور ہوگئی تھی۔ کسی نے مجھے کہا کہ آپکی آنکھیں تو خراب ہیں آپ مدینہ شریف کیسے جائیں گے۔ یہ الفاظ سن کر میرے بدن میں جیسے کرنٹ دوڑ گیا ہو میرے منہ سے فوراً نکلا اندھے بھی تو مدینہ پہنچ کر روضہ رسول ﷺ پر حاضری دیتے ہیں۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ میری آنکھوں سے پھر اس قدر آنسوں رواں ہوگئے جیسے آنسوؤں کی لڑی بن گئی ہو۔ بار بار میرے ذہن میں یہی خیال آتا۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سَر کا موقع ہے او جان والے

میری سوچ کا محور یہی تھا کہ ارے غافل یہ راہِ مدینہ ہے۔ ذرا جاگ، پاؤں رکھنے کی بجائے چشم و سر رکھ کر چل۔ اللہ کی مہربانی اور شاہ صاحب (سرکار) کی نسبت سے کی وجہ سے مجھ میں اتنی ہمت اور حوصلہ ہو چکا تھا کہ بیماری کے باوجود میرا دل یہی کہہ رہا تھا کہ مدینہ کی راہ میں آنے والی مشکلات کو اس خیال سے طے کیا جاتا ہے کہ جس منزل کا عزم ہے اسکی عزمت کا یہی تقاضا ہے۔ تمام مصائب سے گزر کر وہاں پہنچے اور خیال کرے کہ وہ کس بارگاہ میں حاضر ہونے جا رہا ہے۔ بالآخر ہم رات گیارہ

بجے مکہ شریف سے روانہ ہوکر صبح فجر کی نماز کے بعد مدینہ شریف پہنچ گئے۔ مدینہ شریف پہنچنے کے بعد ہم اپنی رہائش گاہ پہنچے جو روضہ رسول اقدس ﷺ کے قریب ہی تھی۔ مدینہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی خیال آیا کہ سرکار مدینہ ﷺ پر پہلی نظر پڑی تو کیفیت بدل گئی۔ بعد میں اس کیفیت کے سبب کچھ نعتیہ اشعار ہوئے جو ہم نے قلمبند کر لیے۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

﴿نعت شریف﴾

اللہ کی رحمت عجب مست گھڑی تھی
جب پہلی نظر گنبد خضرہ پر پڑی تھی

مجرم تھا ندامت سے جھکائے ہوئے سر کو
آنسوروں ایسے کہ ساون کی جھڑی تھی

کیا تم کو بتاؤں جو وہاں دیکھا تھا منظر
خورشید صفت راہ تھی پُر نور گلی تھی

مرجھائے دل وہاں کھلنے لگے تھے
اس شہر محبت کی فضا کتنی بھلی تھی

اس شہر کے ذرے تھے چمکتے ہوئے تارے
ہر چیز وہاں نور کے سانچے میں ڈھلی تھی

نفرت کے اندھیروں کا جگر کاٹ رہی تھی
وہ شمع محبت جو میری دل میں جلی تھی

منگتے تو ہوئے منگتے اسے چوم رہے تھے
شاہوں نے بھی چہروں پر وہی خاک ملی تھی

نادرا کی قسمت میں دیدار مدینہ
لیکر فضلؔ کو آقا کی محبت ہی چلی تھی

(قارئین ! ابّا جی کا کہنا ہے کہ وہ کوئی شاعر یا ادیب نہیں ہیں۔ لہذا بحر ردیف وقافیہ کی کمی قابلِ نظر انداز ہے)

سوال۔ جب آپ مدینہ شریف پہنچ گئے اور مسجد نبوی میں پہلی بار نماز پڑھی تو کیسا لگا؟ کوئی خاص کرم یا کوئی خاص بات؟

جواب۔ ہر کرم خاص کرم تھا۔ کوٹری شریف سے لیکر حج بیت اللہ اور روضہ رسول ﷺ پر حاضری، مقامات مقدسہ کی

زیارت سب کرم ہی کرم تھا۔ ہم جہاں بھی گئے باطن میں میں ہم نے دیکھا کہ بہت سے بزرگ ہمارے آگے آگے ہماری رہنمائی کے چل رہے تھے۔ کچھ ظاہر میں بھی ہوتے تھے جنہیں ہم پہچانتے تو نہیں تھے لیکن ان کی کیفیات، لباس اور باطنی اشاروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بھی کوئی ہستیاں تھیں۔ یہ سب کچھ کرم ہی تھا۔

پہلے دن جب ہم مسجدِ نبوی میں پہنچے تو دل کی کیفیت کچھ اور ہوگئی۔ عجب بے چینی ہوئی۔ دل چاہ رہا تھا کہ ہر وہ جگہ ہماری آنکھوں کے سامنے جلدی آجائے۔ جہاں حضور پاک ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے۔ جہاں خطبہ دیتے تھے۔ جہاں پانی پیا کرتے تھے۔ ہر اس جگہ کو چومنے کے لیے آنکھیں بچھی جا رہیں تھیں۔ ہم نے مسجد نبوی میں پہلی بار نماز ادا کی۔ ہماری زندگی میں وہ انمول سجدے تھے جو ہم نے پہلی مرتبہ مسجد نبوی میں ادا کیے تھے۔ میرے ساتھ فیصل آباد کے دو ساتھی اور بھی تھے۔ نماز کے فارغ ہونے کے بعد ہم روضہ رسول پاک ﷺ کی جانب ادب سے قدم بڑھاتے ہوئے چلے۔ ہجوم بہت تھا۔ آنکھیں نم تھیں۔ جیسے ہی ہم روضہ رسول پاک ﷺ پر پہنچے تو حضور پاک ﷺ نے کمال شفقت سے ہمیں اپنا دیدار کرایا۔ آپ نے تبسم فرماتے ہوئے اشاروں سے ہماری خیریت دریافت کی اور ہمارے ساتھ دست دعا دراز فرمائے۔ دوسرے دن ہمارے اِن دو ساتھیوں نے مجھے روضہ رسول ﷺ پر دعا کرنے کی درخواست کی۔ ہمارے کاروبار میں رکاوٹیں دور ہو جائیں۔ کاروبار میں ترقی ہو اور گھر میں جو بیماریاں ہیں وہ بھی دور ہوں۔

خیر جناب! دوسرے دن بھی ہم روضہ رسول ﷺ پر پہنچے۔ حسب معمول غیر معمولی ہجوم تھا۔ جیسے ہی ہم جالیوں کے قریب پہنچے تو حضور پاک ﷺ کمال شفقت سے پھر دیدار کرایا۔ اور تبسم فرماتے ہوئے دعا کے لیے دستِ مبارک بلند فرمائے۔ ہم نے بھی پہلے سے طے شدہ دعا کے ہاتھ اُٹھائے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ حضور پاک ﷺ کے چہرہ مبارک پر غمی کے آثار نمایاں ہوئے اور آپ ﷺ اچانک ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ ہم بڑے پریشان ہوئے۔ یا اللہ ہم سے کوئی خطا سرزد تو نہیں ہوگئی۔ جس کی وجہ سے حضور پاک ﷺ کے چہرہ انور پر غمی کے آثار نمایاں ہوئے اور اچانک ہماری نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

خیر جناب ! ہم بھی بجھے ہوئے دل کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوئے۔ تیسرے دن ہم پھر روضہ رسول ﷺ پر پہنچے۔ ہجوم حسبِ معمول تھا۔ اسی اثنا میں ایک گورا چٹا شخص وجاہت سے عربی معلوم ہوتا تھا۔ ہجوم کو چیرتا ہوا ہاتھ میں چھڑی لیے ہوئے میرے پاس آیا اور کہا تلاشی دو۔ میں حیران ہوا کہ کیا عمل ہے جو میرے ساتھ ہو رہا ہے۔ خیر جناب ! کیا کرتے ؟ ہم نے اپنی بیلٹ چیک کرائی، سلوکا وغیرہ بھی اس نے چیک کیا۔ اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد مسکراتا ہوا عربی میں کچھ کہتا ہوا وہ شخص ہم سے رخصت ہو۔ کسی اور سے تلاشی نہیں لی۔ اس کے جانے کے بعد مجھے کچھ شک ہوا۔ میں نے فوراً اپنا سلوکا اور بیلٹ

چیک کی اور دیکھا کہ میرے بیلٹ خانے میں بہت سارے ریال پڑے ہیں۔ میں حیران ہوگیا کہ اتنی بڑی رقم تھی کہ ہم وہاں خرچ بھی نہ کر سکے اور کچھ ریال بچ گئے۔ ہم نے سوچا کہ یہ بھی ایک خاص کرم ہے۔ ظاہر و باطن دونوں طرح ہماری راہنمائی ہوئی۔ ہم مقامات مقدسہ کی زیارت جس ٹیکسی کے ذریعے کر رہے تھے اس کے ڈرائیور نے ہمیں بتایا اور خصوصاً وہاں لے کر گیا جہاں دوران سفر حضور پاک ﷺ کی اوٹنی کو شدید پیاس لگی تھی اور وہاں بہت پریشان ہو رہی تھی۔ حضور پاک ﷺ نے وہاں کی زمین کو تھوڑا سا کھودا اور وہاں سے پانی نکل آیا۔ اوٹنی نے وہاں خوب سیر ہو کر پانی پیا اور آج وہ اوٹنی ہماری تاریخ کا حصہ بن گئی۔ وہ گڑھا اب کنویں کی شکل میں موجود ہے جس کے پانی میں یہ تاثیر ہے کہ جو بھی اس کنویں کا پانی پیتا ہے، اسکی بیماری دور ہو جاتی ہے۔ شاہ صاحب (سرکار) وائف کو شوگر تھی وہ بھی اس پانی سے ختم ہوئی۔ ہم سب نے وہ پانی پیا بھی اور بوتلوں میں بھی بھرا۔

سوال۔ آپ یہ بتائیں کہ وہاں کی حکومت کو حضور پاک ﷺ پسند فرماتے ہیں؟ جبکہ بہت نامور ہستیوں کی قبروں تک کی وہاں کوئی قدر نہیں کی گئی اور وہ بالکل خستہ حال ہیں اور وہاں کی حکومت عقیدے کے اعتبار سے ان پر کوئی توجہ نہیں دیتی؟

جواب۔ نہیں جناب! حضور پاک ﷺ وہاں کی حکومت کو بہت پسند نہیں فرماتے ہیں۔ وہاں کے ولی عہد خادم الحرمین شریف کو حضور پاک ﷺ نے بہت نوازا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ وہاں کی حکومت نے اپنے کارندوں کو اتنی سخت ہدایت دی ہوئی ہے کہ کسی بھی ملک کے کسی ایک حاجی کو بھی کوئی تکلیف نہ ہو۔ وہ رات دن اسی میں مصروف رہتے ہیں کہ زائرین کو کسی بھی طرح کی کوئی تکلیف ہوئی تو حضور پاک ﷺ خفا ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ خفا ہو گئے تو اللہ بھی خفا ہو جائے گا۔ اتنے بڑے مجمع کا انتظام ہر سال اور اسکے علاوہ عمرہ جس کے لیے سارے سال زائرین آتے رہتے ہیں۔ ان اجتماعات کا بندوبست کوئی معمولی کام نہیں۔ بس حضور پاک ﷺ اسی وجہ ان سے خوش ہیں (یعنی دنیاوی طور پر)۔

ذاکرین کو میرا یہ پیغام ہے کہ انجمن کا مشن تائید اللہ اور باذن رسول ﷺ سے عمل میں آیا ہے۔ چنانچہ ذاکرین کو بھی چاہیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اپنے مرشد جنہیں یہ مشن بہت عزیز ہے، کی خوشنودی کے لیے بڑھ چڑھ کام کریں۔ انشاءاللہ دونوں جہاں کی بھلائی ان کے قدم چومے گی اور اگر کوئی تکلیف یا مشکلات راہ میں آئیں بھی تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لیے انہیں عبور کرنے کی کوشش میں لگے رہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات میں بلندی عطا فرمائے۔ کیونکہ مشکلات کا عبور کرنا بھی راہ سلوک میں مقام کو پا لینے سے کم نہیں۔

سوال۔ سرکار سعودی عرب کے لیے آپ سے جب اجازت لیکر رخصت ہوئے اور کافی عرصہ سرکار کی کوئی اطلاع نہیں ملی تو اس وقت آپ کے خاندان کے افراد کی کیا کیفیات تھیں؟

جواب۔ چونکہ شاہ صاحب (سرکار) ہماری رضامندی اور اجازت سے گئے تھے۔ ہم نے ان کا پاسپورٹ بھی چیک کیا تھا۔ لہذا ہمیں اطمینان تھا کہ وہ سعودی عرب ہی جائیں گے۔ اس سلسلے میں ان کا مقصد جو انہوں نے ہم سے بیان کیا تھا ہمارے سامنے تھا۔ لیکن جب پندراں بیس دن تک حسب وعدہ ان کا خط نہیں ملا تو کچھ تشویش ہوئی۔ لیکن ان کے مزاج سے ہم واقف تھے۔ لہذا یہی سوچا کہ جب یہ سعودی عرب پہنچ کر سیٹ ہو جائیں گے تو اپنی خیریت اور حالات سے مطلع کریں گے۔ دو تین ماہ اسی خیال میں گذر گئے لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا ہماری تشویش میں اضافہ ہوتا رہا۔ آخر کار ہم نے اپنے کئی جاننے والوں کو خط لکھے۔ سعودی عرب جاتے، انہیں بھی شاہ صاحب (سرکار) کے متعلق بتاتے کہ ان کے متعلق ہمیں کوئی اطلاع دیں لیکن انہوں نے بھی ہمیں کوئی اطلاع نہیں دی۔ آنے جانے والوں سے بس یہی خبر ملتی کہ ریاض ہمیں کہیں نہیں ملے۔ چنانچہ شاہ صاحب (سرکار) کی والدہ اور بیوی بہت پریشان رہنے لگیں۔ گھر کی فضا بھی بہت سوگوار رہنے لگی۔ بات یہاں تک پہنچی کہ گھر کی خواتین نے ان کی برسی اور چہلم تک کر ڈالا۔ قرآن شریف ختم کرائے، فاتحہ دلاتے اور رو پیٹ کر چپ ہو جاتے۔ ایک دن کمرہ میں اکیلا بیٹھا تھا اور سامنے صحن میں شاہ صاحب (سرکار) کی بیوی بیٹھی ہوئی تھیں۔ شاہ صاحب (سرکار) کا منجلہ لڑکا جس کا نام مجیب تھا، دور سے بھاگتا ہوا آیا اور ابّا ابّا چلاتے ہوئے میرے قریب آ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ اسکی اس حرکت پر مجھے تعجب ہوا کہ وہ ابّا ابّا کہہ نہیں سکتا تھا۔ آج اس نے ایسا کیونکر کہا۔ میں بھی غمگین ہو گیا اور بچے کو اسکی والدہ کے حوالے کر دیا۔ بچے کی ماں اور دادی نے دیکھا کہ بچے کو بہت سخت بخار ہو گیا ہے۔ بچے کی اس طرح بیماری پر ہم اور بھی پریشان ہو گئے۔ ڈاکٹر وغیرہ کو دکھایا لیکن کچھ افاقہ نہیں ہوا اور لڑکا چند روز بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گیا۔ سب گھر والوں کو یہ دوہرا صدمہ ہوا اور ہمارا گھر ایک مرتبہ پھر ماتم کدہ بن گیا۔

تمام عزیز و اقارب جمع ہوئے اور سب ایک دوسرے دوسرے کو دلاسہ دیتے رہے۔ بچے کا اپنے باپ کا پکارنا موضوع بحث بنا۔ کوئی کچھ کہتا اور کوئی کچھ۔ ایک عمر رسیدہ نے کہا کہ باپ کی روح آئی ہوگی جسے دیکھ کر بچہ نے باپ کو پکارنا شروع کر دیا ہو۔ ورنہ اسے ابّا ابّا کہنا ہی نہیں آتا تھا۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ گاؤں کا ماحول تھا اور روح والی بات سمجھ میں آ گئی اور شاہ صاحب (سرکار) کی برسی اور چہلم، قرآن خوانی، فاتحہ سب صحیح سمجھی جانے لگی۔ سب نے مرنے والے بچے اور شاہ صاحب (سرکار) کے لیے دعا کی۔ سب تو رخصت ہو گئے لیکن میں گھر کی خواتین کی پریشانی دیکھ کر بابا گوہر شاہ کے مزار پر چلا گیا اور جو کچھ آتا تھا کافی دیر تک بیٹھا پڑھتا رہا۔ یکا یک مجھ پر غنودگی سی طاری ہو گئی اور بابا گوہر شاہ صاحب سامنے آ گئے۔ انہوں

نے مجھے بتایا کہ شاہ صاحب (سرکار) حیات ہیں اور پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ وہ لعل باغ سہون شریف میں ہیں۔ مجھے یہ بشارت پا کر کافی تسلی ہوگئی اور یقین ہوگیا کہ شاہ صاحب (سرکار) زندہ ہیں۔ یہ بات میں نے شاہ صاحب (سرکار) کی والدہ کو بھی بتائی لیکن انہیں یقین نہیں آیا۔

خیر جناب میں بھی ان حالات سے تنگ آ کر گاؤں میں سب کو چھوڑ چھاڑ کر اکیلا اپنے ایک واقف کار کے پاس پنجاب کے شہر جھنگ آ گیا۔ وہاں میری ملاقات کرنل عابد حسین جو کہ سابق وزیر تھے، سے ہوئی۔ بہت ہی بلند اخلاق کے مالک تھے۔ انہیں شاہ جیونا اپنی زمینوں کے لیے ایک ایماندار شخص کی ضرورت تھی۔ میں بھی گھر کی وجہ سے پریشان تھا۔ چنانچہ مصروفیت کی خاطر میں نے وہاں ملازمت کو لی۔ کرنل صاحب مجھ سے بہت خوش ہوئے۔ میری بڑی عزت کرتے تھے۔ تنخواہ کے علاوہ بھی مجھے دیگر مراعات انہوں نے خصوصاً دی ہوئی تھیں۔ میں وہاں تقریباً ایک سال ملازمت کی پھر میرا دل وہاں سے بھی اچاٹ ہوگیا۔ کرنل صاحب کو میں نے اپنے حالات بتائے اور ان سے رخصت ہو کر پھر گاؤں چلا آیا۔ حالانکہ کرنل صاحب مجھے بہت روک رہے تھے۔ یہاں آپ لوگوں کی معلومات کے لیے بتاتا چلوں کہ کرنل صاحب بیگم عابدہ حسین (سابق وزیر) اور امریکہ میں پاکستان کی موجودہ سفیر کے والد تھے۔ خیر جناب! وقت پھر اسی پریشانی میں گزرنے لگا۔ ایک دن میں راولپنڈی گیا۔ وہاں مجھے سہگل برادران ملے وہ مجھے جانتے تھے۔ انہوں نے میری خیریت دریافت کی۔ میں نے انہیں اپنے حالات بتائے۔ انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ ملازمت کر لیں۔ مصروفیت رہے گی اور ایک کارڈ دیا اور کہ آپ کے گاؤں سے تھوڑی دور ہماری "رچنا" مل چل رہی ہے ..... تم وہاں چلے جاؤ۔ آپ کو appoint کر دیں گے۔ دوسرے دن میں پہنچا اور وہاں میرا بحیثیت اسٹیبلشمنٹ اسسٹنٹ oppointment ہوگیا۔ چند دنوں میں میرا کام اور ایمانداری دیکھ کر انہوں نے مجھے ہیڈ کلرک بنا دیا۔ ایک دن کسٹم کلکٹر حسنین صاحب مل کے معائنے کے لیے آئے اور مجھے دیکھ کر فوراً رکے اور مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ بڑی گرم جوشی سے ملے۔ اگلی پچھلی باتیں کی اور اپنے پاس پنڈی آنے کی دعوت دی۔ دراصل حسنین صاحب مجھے دہلی سے ہی جانتے تھے۔ جب مل مالکان سہگل برادران نے میری اتنی رسائی دیکھی تو انہوں نے مجھے اسٹیبلشمنٹ آفیسر بنا دیا۔ یہ دیکھ کر کئی آفیسر میرے خلاف ہوگئے اور سازشیں شروع کر دیں۔ بہرحال سب کچھ جانتے ہوئے بھی محنت اور ایمانداری سے کام کرتا رہا۔

شاہ صاحب (سرکار) کو گھر سے گئے ہوئے اب تقریباً تین سال ہو چکے تھے۔ ہمارے کچھ عزیز سانگھڑ میں رہتے ہیں۔ سہون شریف میں لعل شہباز کا عرس تھا چنانچہ ہمارے عزیز چک 11 سانگھڑ سے سہون شریف زیارت کے لیے گئے۔ عرس تھا، چنانچہ وہ لعل باغ میں چلّہ گاہ پر بھی چلے گئے۔ انہوں نے لعل باغ کی ایک مسجد میں دیکھا کہ شاہ صاحب (سرکار) بیٹھے قرآن

مجید کی تلاوت کر رہے ہیں ۔وہ فوراً جا کر شا صاحب (سرکار) سے ملے۔انہوں نے شاہ صاحب کو گاؤں کے حالات بتائے۔انہوں نے شاہ صاحب (سرکار) کو کہا کہ تمہارے منجھلے بیٹے کا انتقال ہوگیا ہے۔تمہاری بیوی بہت پریشان ہے۔ماں باپ کا بھی رو رو کر برا حال ہے۔تمہارے پیچھے بہت آدمی بھیجے ہیں لیکن تمہارا کہیں پتہ نہ چلا۔سب پریشان ہیں یہاں تک کہ تمہارا چہلم برسی سب ہو چکا ہے۔تم یہاں فقیری ڈھونڈ رہے ہو؟ ہمارے ساتھ گاؤں چلو۔ہم تمہیں ساتھ لے کر جائیں گے۔شاہ صاحب (سرکار) نے انہیں بتایا کہ میں ابھی چلہ پر ہوں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔جب حکم ہوگا تو جاؤں گا لیکن ہمارے عزیز بضد تھے کہ ہم تمہیں اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔تم قرآن مجید کی تلاوت ختم کرلو۔کچھ دیر تمہاری انتظار کر لیتے ہیں۔شاہ صاحب (سرکار) دوبارہ قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہوگئے اور وہ شاہ صاحب (سرکار) کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ اچانک شاہ صاحب (سرکار) ان کی نظروں سے غائب ہوگئے۔انہوں نے شاہ صاحب (سرکار) بہت تلاش کیا لیکن وہ کہیں نہ ملے۔آخر کار تھک ہار کر وہ لوگ سانگھڑ آ گئے اور انہوں نے بذریعہ خط ساری بات بتائی۔

جب ہمیں شاہ صاحب (سرکار) کی اطلاع ملی تو ہم نے فوراً شاہ صاحب (سرکار) کے چھوٹے بھائی طارق کو لعل باغ بھیجا۔لیکن شاہ صاحب (سرکار) لعل باغ سے جا چکے تھے۔وہاں کے لوگوں نے طارق کو بتایا کہ شاہ صاحب (سرکار) سندھ ٹیکسٹ بورڈ جام شورو کے عقب میں چھوٹی سی پہاڑی پر رہتے ہیں۔طارق وہاں پہنچے تو شاہ صاحب (سرکار) وہاں بھی نہ ملے۔ آخر کار طارق تھک ہار کر گوجر خان واپس آ گیا۔اس طرح ایک مرتبہ پھر ہم سب مایوس ہوگئے۔بہر حال ہمیں مجھے یقین تھا کہ وہ زندہ ہیں اور ایک نہ ایک دن ضرور ملیں گے۔کچھ عرصے بعد شاہ صاحب (سرکار) کی ہمشیرہ نے اطلاع دی کہ شاہ صاحب (سرکار) حیدر آباد سرے گھاٹ آ چکے ہیں۔

بات کچھ اس طرح تھی کہ شاہ صاحب (سرکار) از خود اپنی ہمشیرہ کے پاس سانگھڑ گئے تھے کہ ٹھیک ٹھاک ہوں۔رہنے کا بندوبست ہوگیا ہے۔تم گھر والوں کو خط لکھو کہ میرے بیوی بچوں کو حیدر آباد بھیج دیں۔ہمیں جب مکمل معلومات ہوگئی تو ہم نے دوبارہ طارق کو حیدر آباد بھیجا۔شاہ صاحب (سرکار) اس وقت سے گھاٹ سے لطیف آباد شفٹ ہو چکے تھے۔بہر حال ہم نے شاہ صاحب (سرکار) کے بیوی بچوں کو حیدر آباد بھیج دیا اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ شاہ صاحب اتنی مدت کے بعد دوبارہ مل گئے۔ اب گھر والوں کو یہ پریشانی تھی کہ جلد از جلد شاہ صاحب (سرکار) سے ملاقات ہو۔شاہ صاحب (سرکار) تو جلد گاؤں نہ آ سکے لیکن گھر والے باری باری شاہ صاحب (سرکار) سے مل آئے لیکن میں حیدر آباد نہ جا سکا۔بہر حال شاہ صاحب (سرکار) کی خیریت ملتی رہی۔کبھی کسی ذریعے سے کبھی کسی کے ذریعے سے۔

ایک دن میں کسی کام سے گوجر خان گیا ہوتھا۔ جب میرا گزر شاہ صاحب دکان کے سامنے سے ہوا جہاں کبھی شاہ صاحب (سرکار) اسپیئر پارٹس کی دکان کیا کرتے تھے تو میری دھیان شاہ صاحب (سرکار) کی طرف چلا گیا۔ مجھے انکی بہت یاد آئی۔ میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ یا اللہ ریاض سائیں سے جلدی ملا، بہت عرصہ ہوگیا ہے۔ بے چینی بڑھتے جارہی تھی۔ کاش کہ شاہ صاحب (سرکار) جلدی مل جائیں۔ ابھی میں سوچ رہا تھا کہ دیکھا شاہ صاحب (سرکار) اکیلے میری طرف روڈ کی جانب سے بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور بڑی گرم جوشی سے گلے ملے۔ آپ یقین کریں کہ اُس وقت مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ لفظوں میں اس کا بیان مشکل ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو ان کے بچے طلعت، بابر اور انکی بیوی چلی آرہیں ہیں۔ ہم نے فوراً سوزوکی (وین) کی اور جلدی جلدی گھر کی جانب روانہ ہوگئے۔ جیسے ہی ہم گاؤں پہنچے تو گھر والوں نے انہوں دور سے پہچان لیا۔ سب لوگ خوشی خوشی دوڑ پڑے اور ایک دوسرے کے گلے مل کر خوب روئے۔ گاؤں میں جب دوسرے عزیز و اقارب کو پتہ چلا تو وہ بھی دیکھنے کے لیے دوڑ پڑے اور بڑی خوشی منائی گئی۔ مٹھائیاں تقسیم کی گئیں۔ ہم نے بھی دیگیں وغیرہ بولی ہوئی تھیں۔ خوب نیاز فاتحہ کی۔ شاہ صاحب (سرکار) گاؤں میں تقریباً پندرہ دن رہے۔ حیدرآباد آتے وقت شاہ صاحب (سرکار) نے مجھ سے کہ ابّا جی کبھی کوئی پریشانی ہوتو باطن میں ہمیں یاد کر لینا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ میرے اسٹیبلیشمنٹ آفیسر بن جانے کی وجہ سے کچھ لوگ میرے خلاف ہوگئے اور شازشیں کررہے تھے۔ چنانچہ مل کر افسران نے میری نوکری ختم کرانے کے لیے ایک اسکیم بنائی اور ایک شخص کومل میں بھرتی کیا گیا۔ اس شخص کو میرے حوالے کیا گیا کہ کام سکھاؤ۔ پروگرام یہ تھا کہ جب یہ شخص کام سیکھ جائے گا تو کوئی بھی الزام لگا کر سازش کے تحت فضل حسین کو نوکری سے نکلوا دیں گے۔ میں بھی حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے اچانک خیال آیا کہ شاہ صاحب نے چلتے وقت مجھے سے کہا تھا کہ ابّا جی! جب کوئی پریشانی ہوتو مجھے باطن میں یاد کرلیا کرنا۔ میں یہ سوچ کر قریب ہی مسجد میں چلا گیا اور کہا کہ سائیں ریاض مجھے پریشانی ہے، میرے خلاف سازش ہورہی ہے۔ آپ یقین کریں کہ میرا اتنا خیال کرنا تھا کہ شاہ صاحب (سرکار) باطن میں میرے سامنے آگئے۔ میں نے اپنی پریشانی بتائی اور شاہ صاحب (سرکار) چلے گئے۔ صبح جب نوکری پر مل پہنچا تو گیٹ پر موجود سیکورٹی آفیسر نے مجھے سے پوچھا کہ تمہیں کچھ معلوم ہے؟ میں نے کہا کیا؟ اس نے مجھے بتایا کہ آج رات ایک بجے سہگل صاحب نے مل کے ڈائریکٹر کو غصہ میں آکر معطل کر دیا ہے اور جنرل منیجر صاحب کی بدلی کر دی ہے۔ مجھے یقین آگیا کہ واقعی شاہ صاحب (سرکار) نے کمال کر دکھایا ہے۔ ڈائریکٹر جسے مالکان نے معطل کیا تھا اور جنرل منیجر جسے بدلی کیا گیا تھا یہ دونوں ہی شازش کے سرغنہ تھے۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ مالکان نے مجھے جنرل منیجر کا ایڈیشنل چارج دے دیا۔ اب دوسرے لوگ جو میرے برخلاف ہوگئے تھے، میرے حامی ہوگئے۔

خیر جناب! وقت گزرتا رہا۔مزدوروں میں شعور آرہا تھا۔لہذا ان دِنوں یونین بازی عروج پر تھی۔آئے دن کوئی نہ کوئی ہنگامہ ہوتا ہی رہتا تھا۔چنانچہ مل کے مالکان نے مل بند کرنے کا فیصلہ کرلیا اور کہا کہ ہمیں مل سے نقصان ہورہا ہے۔آخر کار مل بند ہوگیا۔تمام لوگوں کے بقایا جات ادا کردیے گئے۔لیکن میرے اور چند ساتھیوں کے بقایا جات رک گئے۔شاید مل مالکان مجھ سے کوئی بڑا کام لینا چاہتے ہیں۔اس بات سے مجھے بڑی پریشانی ہوئی۔میں نے ایک دن پھر شاہ صاحب (سرکار) کو یاد کیا اور اپنی پریشانی بتائی۔اتفاقاً دوسرے دن مجھے کسی ضروری کام سے پنڈی جانا پڑا۔وہاں اچانک میرے ایک پرانے وقف کار منظور لغاری مل گئے۔ان سے میری پرانی علیک سلیک تھی۔وہ ان دنوں پنڈی میں لیبر کمشنر لگے ہوئے تھے۔میں نے ان سے اپنے بقایا جات کے بارے میں بات چیت کی۔انہوں نے فوراً مجھے ایک سخت قسم کا وارننگ لیٹر دیا جس میں مل مالکان سے کہا گیا تھا کہ 24 گھنٹے کے اندر اندر ان کے بقایا جات ادا کردیے جائیں۔میں وہ یہ لیٹر لے کر مل آیا اور مجھے میرے بقاجات (24) گھنٹے سے بھی پہلے ادا کردیے گئے۔یہ سب شاہ صاحب (سرکار) کی نظروں سے ہوا۔

سوال۔پہلی مرتبہ جب ہمارا ایک وفد سرکار کی موجودگی میں ڈھوک گوہر شاہ پہنچے تو آپ کے انجمن کے لیے کیا خیالات تھے؟

جواب۔جب آپ لوگ پہلی مرتبہ ڈھوک گوہر شاہ پہنچے تو مجھے یہی گمان تھا کہ آپ لوگ بھی شاہ صاحب کی طرح گھروں سے مزاروں تک پیشہ ور پیروں کے متلاشی ہیں۔آپ لوگوں کو شاہ صاحب مل گئے ہیں جن کی تعلیمات اور روحانیت کی وجہ سے آپ لوگ بھی اتنا خرچہ کرکے اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے ہیں۔رہا انجمن کا سوال تو اس کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا اور اس زمانے میں انجمن میں نہ ہی اتنے افراد تھے اور نہ ہی کوئی لٹریچر شائع ہوا تھا۔چنانچہ ہم یہی سمجھے کہ بس اللہ اللہ کرنا اس انجمن کا کام ہے۔جن میں چند سرفروش نوجوان شامل ہوگئے ہیں۔آج جب ہم دیکھتے ہیں تو اس کا نقشہ ہی کچھ اور ہے۔

سوال ابّا جی ہمارا مشاہدہ ہے کہ سرکار آپ سے بہت پیار کرتے ہیں۔شاہ صاحب لطیف آباد میں بھی آپ کا اکثر ہم سے ذکر کیا کرتے تھے۔آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب۔آپ لوگوں میں سے ہی کسی نے مجھے بتایا تھا کہ لطیف آباد میں قیوم بھائی کے پڑوسی جو تقریباً میرے ہم عمر تھے ان کا اچانک انتقال ہوگیا۔اس کے بعد شاہ صاحب (سرکار) نے دوسرے دن ہی گوجر خان آنے کی تیاری کرلی۔دریافت کرنے پر شاہ صاحب (سرکار) نے فرمایا کہ یار آج ابّا جی بہت یاد آئے ہیں۔بس گاؤں جا کر ان سے ملنا چاہتا ہوں۔آخر کار وہ میرے والد ہیں۔آپ خود سوچیں کہ وہ اپنی والدہ کے لیے بھی کہہ سکتے تھے لیکن انہوں نے صرف میرا نام لیا۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔دراصل بات یہ کہ شروع سے ہی ہم باپ بیٹے اکھٹے رہے۔جہاں جہاں میں جاتا

شاہ صاحب (سرکار) میرے ساتھ ہوتے اور ان کی تعلیم و تربیت بھی وہیں ہوتی۔ اسکے علاوہ ان کی زندگی میں بڑے نشیب و فراز آئے۔ انہوں نے مجھے ہر جگہ اپنے لیے مستعد پایا۔ پچھلی قسطوں سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ انہوں نے کیا کیا کام کیے۔ کبھی کام کرتے کبھی کام چھوڑتے، کبھی کار چلاتے لیکن مجھے یہ اندازہ تھا کہ ان کے اندر یقیناً کوئی بے چینی ہے جس کی وجہ سے یہ ایک جگہ ٹک کر کام نہیں کر سکتے۔ بہر حال ہر حالت میں ان کا ساتھ دیتا رہا اور آج یہ میرا اتنا خیال کرتے ہیں اور اتنی عزت کرتے ہیں کہ میں ان کا شکر گزار ہوں اور اللہ کا بھی بہت شکر گزار ہوں کہ ان کی بدولت اللہ نے مجھے وہ کچھ عطا یا کیا ہے جو ہر ایک کی قسمت میں نہیں۔ آپ یقین جانیں شاہ صاحب (سرکار) کی وجہ سے حج بیت اللہ اور روضہ رسول پاک ﷺ پر جو عنایات میں نے دیکھی ہیں اس سے مجھے معلوہوا کہ ہم بہت غفلت میں تھے لیکن ان کی بدولت جو عزت ہمیں ملی وہ کبھی نہ ملتی۔ ہم اس لائق نہیں تھے۔ بس اب ہم انہیں ولی سمجھتے ہیں اور انکی اتنی عزت کرتے ہیں جتنی آپ لوگ کرتے ہیں۔

نوٹ : یہ انٹرویو اخبار صائے سرفروش کے شمارہ نمبر 2 1991ء سے لیکر شمارہ نمبر 199213ء یعنی بارہ قسطوں پر مشتمل تھا جس میں حج اور حاضری روضہ رسول پاک ﷺ کی یادگار تحریر بھی موجود ہے۔ عنوان ماضی کی یادیں ابّا جی کی باتیں۔ اب حضرت سیّدنا ریاض احمد گوہر شاہی مدظلّہٗ العالی کا پہلا انٹرویو جسکو وصی قریشی نے ریکارڈ کیا اخبار صدائے سرفروش کے شمارہ نمبر 2 1991ء میں چھپ کر منظر عام پر آیا۔ اب اس انٹرویو کو بھی پڑھیے۔

حضرت قبلہ ریاض احمد گوہر شاہی مدظلہ العالی کی یہ بڑی نوازش ہے کہ آپ نے سرفروش پبلیکیشن کے تحت ماہنامہ صدائے سرفروش کی اجازتِ اجراء مرحمت فرمائی اور پہلا انٹرویو بھی دینا منظور فرمایا جو قارئین و اراکین انجمن کی معلومات میں اضافے کا باعث اور مفید ثابت ہوگا۔ آیئے ! دیکھئے سرکار کیا فرماتے ہیں۔ سرکار آپ کی تصنیف "روحانی سفر" آپ نے جو مصائب و آلام حصول روحانیت کے لیے بیان کیے ہیں اور جن تکالیف سے آپ کا واسطہ پڑا اور راہ سلوک میں جن آزمائش سے آپ کو گزرنا پڑا وہ تو سب اس تصنیف میں مفصّل بیان کر دیں گئی ہیں۔ اس وقت میرا سوال تنظیم کے متعلق ہے۔

سوال۔ تنظیم بنانے کا خیال آپ کو کیوں اور کیسے آیا؟

جواب۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اس ذات اقدس رب کائنات کو زیبا ہیں جو کائنات کے تمام ذروں کی حرکات و سکنات سے واقف ہے۔ آپ کے سوال کے جواب میں یہ کہ برضائے الٰہی تنظیم قائم کرنے کا القا ہوا اور باطنی طور پر نور محمد سروری قادری کلاچیؒ نے بھی مشورہ دیا کہ اے ریاض ! بھٹکے نوجوانوں کو راہ راست پر لانے کے لیے ایک تنظیم قائم کرو۔ اس طرح میرا ذہن تنظیم کے قیام کی جانب مبذول ہوا۔ سوچا کہ تنظیم تو بنائی جائے پر عام تنظیموں سے ہٹ کر ہو۔ اس تنظیم کا ہر رکن جذبہ

سرفروشی سے سرشار صرف اللہ اور اس کے رسول پاک ﷺ کی خوشنودی کے لیے بے غرض اپنے آپ کو خدمت دین اسلام کی ترویج کے لیے پیش کرے تا کہ امت مسلمہ میں روحانیت سے بے بہرہ لوگوں خصوصاً مذہب سے بیزار مادیت کے پرستار بھٹکے ہوئے نوجوانوں کی زندگی میں روحانی انقلاب برپا کر کے صراط مستقیم پر گامزن کیا جائے۔

سوال۔ تاریخ اولیاء میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی ہے جنہوں نے اپنے مشن کی تکمیل کے لیے اس طرح انجمن بنائی اور عہدیداران مقرر کیے؟

جواب۔ موجودہ سائنسی دور ہے۔ اس دور کی طرح اس وقت کے بزرگوں نے روحانیت کے پرچار کے لیے انجمن تو نہیں بنائی اور نہ اس وقت میں موجودہ انجمنوں کا تصور تھا۔ اسکی جگہ ہر بزرگ نے اپنے اپنے حلقہ احباب کو سلسلہ کے تحت چلایا اور اس سلسلے کو آگے بڑھانے کے لیے خلافتیں عنائت کیں تا کہ علاقوں میں جا کر وہ خلیفہ بزرگوں کے جاری کردہ سلسلے کا پرچار کریں اور انکی تعلیمات کو دوسرے طالبین حق تک پہنچائیں۔ اور وقت میں انجمن کا مقصد ایسی جماعت ہے جس میں تمام سلاسل کو ماننے اور چاہنے والے موجود ہیں۔ جس طرح سلاسل کو تقویت پہنچانے کے لیے خلیفے مقرر ہیں اس طرح انجمن میں تقویت پہنچانے لے لیے عہدیداران کو تقرر میں لایا گیا ہے۔ مقصد دونوں کا ایک ہے کہ امت کے افراد ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔

سوال۔ تنظیم کا انقلابی نام سرفروشانِ اسلام ہی کیوں تجویز کیا گیا؟

جواب۔ چونکہ تنظیم کا انقلابی کام ذہن میں تھا تو ضرورت بھی اسی بات کی کہ تنظیم کا نام بھی انقلابی ہی ہو۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ میں عارف، وصی، قیوم، جاوید اور غالباً انوار کے ہمراہ معمول کے مطابق رہائش گاہ A/88 بریلی کالونی لطیف آباد نمبر 11 حیدرآباد پر بعد نماز مغرب درود کی محفل جاری تھی۔ دوران درود ہی میرے ذہن میں تنظیم کا نام انجمن سرفروشان اسلام پاکستان آیا۔ شاید اس وقت یہ نام بارضا الٰہی ہی ذہن میں آیا تھا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ آنے والے وقت میں اس انجمن کا ہر رکن سرفروش ہی ہوگا۔ یہ اسلام خصوصاً روحانیت کے پرچم کو بلند اور اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی تعلیمات کو عام اور اپنے قلوب ذکر اللہ اور ذکر رسول ﷺ سے گرماتے رہیں گے۔

سوال۔ کیا تنظیم سے قبل بھی باضابطہ ارادت مندوں کے لیے کوئی باقاعدہ حلقہ کی صورت میں نشست کا اہتمام ہوا کرتا تھا؟

جواب۔ موجودہ حلقہ کی صورت میں تو نشست کا اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ البتہ بعد نماز مغرب درود کی محفل باقاعدگی سے ہوا کرتی تھی جس میں اس وقت معتقدین شرکت کرتے تھے۔

سوال۔انجمن کے قیام کے بعد مختلف ذمہ داریاں مختلف عہدوں کی صورت میں ساتھیوں کو عنایت کیں تھیں اور کیا ان ساتھیوں کی ابتدائی کارکردگی سے آپ مطمئن ہیں؟

جواب۔ابتداء میں ساتھیوں کو عہدوں کی صورت میں مختلف ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ایک طرف ساتھیوں کی نہ تجربہ کاری اور دوسری جانب عوام الناس میں تنظیم کو مستقل و منظّم پر مخصوص حکمت عملی کے تحت متعارف کرانا مقصود تھا جسے اس وقت کے ساتھیوں نے بڑی جانفشانی سے نبھانے کی کوشش کی۔ جہاں تک اس وقت کی کارکردگی کا تعلق ہے اس وقت کی کارکردگی سے مطمئن تو ہوں مگر میں ذاتی طور پر پریشان بھی بہت زیادہ ہوا ہوں۔

سوال۔انجمن کو کو منظّم کرنے میں آپکو کیا دشواریاں حائل آئیں؟

جواب۔تنظیم کی اندرون طور پر عہدیداروں کا آپس میں ہم آہنگی نہ ہونا۔بیرونی طور پر بعض علماء کی جانب سے بے جا اختلاف۔گھریلو طور پر اولاد اور روحانی طور پر شیطان کی طرف سے ناحق پریشانیاں جیسے عوامل دشواریوں کی صورت میں پیش آئے۔

سوال۔مندرجہ بالا دشواریوں کے سدّ باب کے لیے کیا حکمت عملی اختیار کی؟

جواب۔مندرجہ بالا دشواریوں کے مقابلے کے لیے میرے پاس "درگزر کرنا" سب سے بڑا ہتھیار تھا اور اب بھی ہے اور انشاءاللہ آئندہ بھی رہے گا۔

یہاں تک وہ ابتدائی حالات تحریر کئے گئے جو اخبارات میں چھپے تھے۔بہت سے حالات ہیں جو تحریر میں نہیں لائے جا سکے۔اگر اللہ تعالی نے زندگی عطا کی تو وہ بھی اگلی تحریر میں لکھ دیے جائیں گے۔

انجمن سرفروشانِ اسلام، انٹرنیشنل

(کمپوزنگ: زوہیب حفیظ)